فَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

تعلیماتِ آلِ رسول ﷺ

صدیوں سے رفض و ضلالت کی دبیز تہوں میں
چھپائے گئے چشم کشا
حقائق کی رونمائی

شہیدِ ملتِ اسلامیہ علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ

تعلیمات

آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مصنف

شہید ملت اسلامیہ علامہ ضیاء الرحمن فاروقی رحمتہ اللہ علیہ

جس میں صدہا سال سے رفض وضلالت کی دبیز تہوں میں چھپائے گئے چشم کشا حقائق کی رونمائی کی گئی ہے۔

ناشر:

ادارہ اشاعت المعارف

ریلوے روڈ، فیصل آباد پاکستان۔

فون: 640024

نام کتاب	------	تعلیمات آل رسول
تالیف	------	شہید ملت اسلامیہ علامہ ضیاء الرحمان فاروقی
اہتمام	------	فاروقی شہید اکیڈمی' جامعہ عمر فاروق' راوی محلہ سمندری (فیصل آباد)
اشاعت اول	------	اپریل 1999ء
تعداد	------	1100
صفحات	------	464
قیمت	------	200 روپے

مرکز اشاعت

ادارہ اشاعت المعارف ریلوے روڈ فیصل آباد۔ فون: 640024

شیرازۂ عنوان

پہلا باب

آئمہ اہل بیتؓ کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد

دوسرا باب

حضرت علیؓ اور آپؓ کی اولاد کے نامور اساطین اور اماموں کا مختصر تعارف ○ احوال و سوانح

مختصر سوانح و فضائل

حضرت سیدنا حسن بن علیؓ

حضرت سیدنا حسین بن علیؓ مختصر سوانح و فضائل

مختصر احوال و مناقب

حضرت سیدنا علیؓ بن حسینؓ المعروف امام زین العابدینؒ

مختصر احوال و سوانح و مناقب

حضرت سیدنا امام باقر بن زین العابدینؒ

مختصر احوال و کوائف و مناقب

حضرت سیدنا امام جعفر صادقؓ

مختصر احوال و فضائل

حضرت سیدنا موسیٰ کاظمؓ

مختصر احوال و فضائل

حضرت سیدنا علی بن موسیٰ کاظمؓ المعروف رضا کاظمؓ

مختصر احوال و مناقب

حضرت سیدنا محمد بن علی المعروف امام تقیؒ

مختصر احوال و فضائل

حضرت سیدنا علی بن محمد المعروف امام نقیؒ

مختصر احوال و فضائل

حضرت سیدنا حسن بن علی المعروف امام حسن عسکریؒ

تیسرا باب

شیعہ کا اپنے آئمہ کی تعلیمات اور ان کے عقائد سے انحراف

چوتھا باب

ارکان اسلام کے بارے میں آئمہ اہل بیتؓ کے عقائد و نظریات

پانچواں باب

قرآن عظیم کے بارے میں آئمہ اہل بیت کی تعلیمات

چھٹا باب

خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں آئمہ اہل بیتؓ کی تعلیمات

ساتواں باب

آئمہ اہل بیتؓ کی طرف سے شیخینؓ کی فضیلت و عظمت کا اعتراف

آٹھواں باب

شیخینؓ کے بعد دیگر صحابہ کرامؓ کے بارے میں آئمہ اہل بیتؓ کی تعلیمات

نواں باب

مشترکہ فضیلت کے اعلان کے بعد آئمہ اہل بیتؓ کی طرف سے علیحدہ علیحدہ خلفاء کی عظمت کا اعتراف

دسواں باب

خلفاء راشدین کی خاندان نبوت سے رشتہ داریاں اور باہمی محبت کے اہم مظاہر

گیارہواں باب

حضرت علیؓ کے بارے میں حضرت عائشہؓ کے ارشادات

بارھواں باب

حضرت معاویہؓ کے بارے میں حضرت علیؓ اور آئمہ اہل بیتؓ کی تعلیمات

تیرھواں باب

مروان اور خاندان نبوتؐ

چودھواں باب

ماتمی سیاہ لباس کے بارے میں آنحضرتؐ اور آئمہ اہل بیت کی تعلیمات

پندرھواں باب

یوم عاشورہ پر قرآن خوانی "سنت شبیری ہے" اور ماتم کرنا بے صبری سے کام لینا "طریقہ شیطانی" ہے

سولہواں باب

شیعہ کے بارے میں رسولؐ اور آل رسول کی تعلیمات

سترہواں باب

شیعہ مذہب کے بانیان اور راویوں کے بارے میں آل رسولؐ کی تعلیمات

اٹھارہواں باب

ماتم کی ممانعت پر آنحضرتؐ اور آئمہ اہل بیت کی تعلیمات

انیسواں باب

بیسواں باب

داڑھی منڈے کے بارے میں حضرت علیؓ کی تعلیم ۔۔۔۔ داڑھی منڈے کو حضرت علیؓ نے مسجد سے نکلوا دیا

اکیسواں باب

متعہ کے بارے میں آنحضرتؐ، حضرت علیؓ اور آئمہ اہل بیت کی تعلیمات ۔۔۔۔ تصویر کا ایک رخ

بائیسواں باب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اول

فاروقی شہید اکیڈمی کے تمام اراکین رب ذوالجلال کے آگے سربسجود ہیں کہ اس نے ہمیں فاروقی شہید کی اس عظیم تالیف کو آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت بخشی۔

تعلیمات آل رسول ﷺ شہید ملت اسلامیہ علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی نور اللہ مرقدہ کی وہ عظیم الشان تالیف ہے جس کے بارے میں مجھ ایسے نالائق کا کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ اپنے موضوع پر اس قدر جاندار اور شاندار مجموعہ کم از کم اردو زبان میں اس سے پہلے آپ کی نظر سے نہیں گزرا ہوگا۔ حقائق و معارف کا خزینہ و گنجینہ "حضرت فاروقی شہید" کے ذہن رسا کی شاہکار تحقیق "آفتاب آمد دلیل آفتاب" اور بس!

شہید کی خواہش تھی کہ یہ کتاب بہت جلد منصہ شہود پر آجائے لیکن:

ابھی جام عمر بھرا نہ تھا کف دست ساقی چھلک پڑا
رہیں دل کی دل میں حسرتیں کہ نشاں قضا نے مٹا دیا

۱۸/ جنوری ۱۹۹۷ء بمطابق ۱۸/ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ بروز ہفتہ حضرت فاروقی شہید "تعلیمات آل رسول ﷺ" پر عمل کی تصویر مجسم بن کر روزہ کی حالت میں ایرانی سازش کے ذریعے ریموٹ کنٹرول بم دھماکہ کے حادثہ میں جام شہادت نوش کر گئے۔ یوں اس کتاب کا عنوان آپ کی شہادت کا عنوان بن گیا۔ شہید کی نظریاتی خواہشات اور شب و روز کی جہد پیہم کو مد نظر رکھتے ہوئے میں آخر میں یہی کہوں گا۔

بحر ہستی کے شناور غم نہ کر شکوہ بے مہری عالم نہ کر
تیری یادیں تم الفت بوئیں گی جانے والے تجھ کو صدیاں روئیں گی

فاروقی شہید اکیڈمی کے ناظم کی حیثیت سے میں اپنے سرپرست جرنیل سپاہ صحابہ حضرت مولانا محمد اعظم طارق مدظلہ العالی اور معاونین جناب طاہر محمود صاحب انجینئر (چیف ایڈیٹر ماہنامہ "خلافت راشدہ") برادر مکرم جناب قاری عبد الغفار سلیم، منتظم ادارہ اشاعت المعارف اور برادرم جناب قاری شبیر احمد صدیقی کا انتہائی ممنون ہوں کہ ان حضرات کی مخلصانہ کاوشوں کے نتیجہ میں ہی "تعلیمات آل رسول ﷺ" اپنے قارئین کے مطالعہ میں آرہی ہے۔ رب ذوالجلال ان کے دامن کو رحمتوں سے بھر دے۔

ناظم علامہ فاروقی شہید اکیڈمی
سمندری، ضلع فیصل آباد

۹۹-۰۳-۱۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

زیر نظر مجموعہ اس لحاظ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں شیعہ مذہب کے ایک بہت بڑے تضاد کو انہی کی کتابوں کی روشنی میں آشکار کیا گیا ہے۔ دنیائے علم و ادب میں اس کتاب کی انفرادیت اور موضوع کتاب کی بوقلمونیت یوں بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ ۱۴۰۰ سو سال سے ایک مذہب جس بنیاد پر استوار ہے اس مجموعہ کے انکشافات کے بعد وہ بنیاد ہی منہدم ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ بات بھی تاریخ عالم کے عجائبات میں سے ہے کہ ایک مذہب کا تانا بانا جن اصولوں پر بنا گیا ہے ایک نظریے کا وجود جن قواعد و ضوابط اور تعلیمات پر قائم کیا گیا ہے سرے سے وہ تعلیمات اور اصول ہی اس مذہب سے متصادم ہیں۔

"تعلیمات آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے اس منفرد اور یکتائے روزگار عنوان سے ایک طرف اقوام عالم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان اور اہل بیت رضی اللہ عنہم عظام کے عقائد و افکار سے آشکار کیا گیا ہے۔ حفاظت قرآن، عظمت خلفاء راشدین" اور تقدیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی اولاد کی تعلیمات سے ہم آغوش کیا گیا ہے۔ دوسری طرف شیعہ کی جدید نسل اور منصف مزاج اثنا عشری گروہ کے سامنے آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا شفاف آئینہ پیش کیا گیا ہے۔

راقم نے کوشش کی ہے کہ "تعلیمات آل رسول ﷺ" کے ذریعے مشہور شیعہ عالم دین اور نجف اشرف عراق کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب کے صاحبزادے ڈاکٹر موسیٰ موسوی کی تصریحات اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات آپ کی اولاد کے ائمہ و مقتداء اور مقدس ہستیوں کی تعلیمات کو شیعہ کی معتبر کتابوں سے نقل کر کے دنیا کے سامنے یہ حقیقت آشکار کر دی جائے کہ خاندان نبوت کی تعلیمات کے بالکل برعکس آنحضرت ﷺ سے ۳۰۰ سو سال بعد شیعہ کا عہد انحراف شروع ہوا جس کی تفصیل اصول اربعہ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے جس کی تصریحات کے مطابق ملا باقر مجلسی، قاضی نور اللہ، ایرانی شیعہ خمینی نے عقیدہ تحریف قرآن، تکفیر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم)، عقیدہ براء، رتبہ امامت کو مرتبہ نبوت سے فزوں تر قرار دیا ہے ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کے عقائد سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ آنحضرت ﷺ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت زین العابدین، حضرت امام باقر، امام جعفر صادق، حضرت تقی علی، حضرت موسیٰ کاظم، رضا کاظم، حضرت نقی علی، حسن عسکری کے کسی قول و عمل اور کسی مبینہ تصریح سے ان عقائد کا اظہار نہیں ہوتا۔ خود قدیم شیعہ کتب بھی ہمارے دعوے کی تصدیق کر رہی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کے عقائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیمات کے عین مطابق تھے۔ خاندان نبوت نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سمیت عقائد توحید و رسالت اور عدالت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہلسنت کے عقائد کے حامل تھے۔ ان کی طرف من گھڑت روایات کی نسبت شیعہ ہی کے بقول ۳۰۰ سو سال بعد کئی جھوٹے راویوں کے ذریعے کی گئی ہے۔

عقیدہ تحریف قرآن اور عقیدہ امامت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر د

تنسیخ کے بارے میں عہد حاضر کی مروجہ شیعہ کی تصریحات غیر اسلامی افکار کا
چربہ ہیں۔ حالیہ شیعہ عقائد میں سے ایک عقیدہ کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور
آپ کی اولاد سے ثابت نہیں کیا جا سکتا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرز عمل
اور خاندان نبوت کی زندگیوں کا پورا دستور العمل واضح طور پر شیعہ عقائد سے
متصادم نظر آرہا ہے۔

زیر نظر مجموعہ کے ذریعے ہمارا مقصد یہ ہے کہ شیعہ کی نئی نسل اور اس
کے منصف مزاج لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کی سچی اور اصلی
تعلیمات کی طرف لوٹ آئیں۔ وہ اپنے عقائد میں ۳۰۰ سو سال بعد ہونے
والی آمیزش سے اسی طرح بغاوت کریں جس طرح عراق کے علماء سمیت اور
ہزاروں مجتہدین بغاوت کر چکے ہیں۔ ان علماء میں ڈاکٹر موسیٰ موسوی کی گواہی
سب سے معتبر ہے۔ مجھے امید ہے کہ شیعہ کی جدید نسل تعصب کی عینک اتار
کر اپنے تنگ نظر مجتہدین اور اسلام دشمنی پر مبنی تعلیمات کے تحت وجود میں
آنے والے نظریات سے توبہ کر کے اسلام کے اصلی عقائد اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کے سچے افکار کو سینے سے لگائے گی۔

"تعلیمات آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم" ایک ایسا آئینہ خانہ ہے جس میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کے عقائد و افکار واضح طور پر نظر آ
رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر' قرآن میں
تحریف' ازواج مطہرات کی تنقیص و توہین' امامت کے بارے میں قرآن و
سنت سے واضح متصادم عقائد کو تھوڑی سی عقل رکھنے والا انسان بھی قبول
نہیں کر سکتا۔ شیعہ عقائد کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والا ہر شخص سوچتا ہے
کہ: تقیہ اور جھوٹ کی سیاہ چادر کے نیچے کفریہ عقائد کی سڑاند کو کب تک
چھپایا جا سکے گا۔ ترقی اور تعمیر کے جدید دور میں عقل و انصاف کے آئینے میں
حقائق کو پرکھنے والا کوئی انسان ایسے متصادم نظریات کا راگ کب تک الاپتا

رہے گا۔ غیر معقول اور ہٹ دھری پر مشتمل افکار کو کب تک مذہب کے لبادے میں قبول کرتا رہے گا جبکہ ایک طرف یہ عقیدہ ہو کہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لیا ہے۔

(بحوالہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ)۔(القرآن)

دوسری طرف یہ عقیدہ ہو کہ اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تبدیل کر دیا تھا' ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بکری قرآن کھا گئی ہے۔ خدا کی حفاظت کی ضمانت کے بعد اسے انسان کیونکر تبدیل کر سکتا ہے۔

ایک طرف یہ عقیدہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مشکل کشا ہیں اور ان کو یا علی مدد کہہ کر پکارا جا رہا ہو۔ دوسری طرف خلافت کے حصول کے حصول کی خاطر انہیں ایسا لاچار اور بے کس و مجبور ثابت کیا جائے کہ چوبیس سال تک تین خلفاء کی ماتحتی اور مجبوراً تینوں خلافتوں کو ناحق جانتے ہوئے اسے قبول کرنے کا عقیدہ رکھا جائے۔ ایک طرف یہ عقیدہ ہو کہ عقیدہ امامت' نماز' روزے کی طرح اسلام کا بنیادی رکن ہے۔ دوسری طرف اس عقیدہ کی تائید میں ایک بھی قرآنی آیت اور صحیح حدیث نہ پیش کی جا سکی ہو۔

ایک طرف یہ عقیدہ گھڑا گیا ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلا خلیفہ ماننا رکن دین ہے۔ دوسری طرف ۱۲ اماموں کی تمام تصریحات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ کی منقبت اور ان کی خلافتوں کی حقانیت پر دلالت کر رہی ہوں۔

ایک طرف تقیہ کو دین کا ۹۰واں حصہ قرار دیا جا رہا ہو۔ دوسری طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کربلا کے میدان میں تقیہ کے اس حربے کو پاؤں تلے روند کر بچوں کو شہید کرا رہے ہوں۔ وہ اپنے والد کی طرح (بقول شیعہ عقائد) جو شیر خدا اور مشکل کشا ہونے کے باوجود تقیہ کر کے خلفاء ثلثہ کے مظالم سے

محفوظ ہو گئے تھے) خاموش نہیں بیٹھے تھے بلکہ ظلم و استبداد سے ٹکرا کر تابندہ تاریخ رقم کر گئے تھے۔ دوسری طرف اصول کافی میں یہ عقیدہ نمایاں ہو' کسی نبی کو اس وقت تک نبوت نہ ملی جب تک اس نے تقیہ نہیں کیا۔

ایک طرف یہ عقیدہ ہو کہ ولایت علی رضی اللہ عنہ کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا اور ولایت علی رضی اللہ عنہ کو کلمہ طیبہ کا جزو بنایا گیا اور پانچ اجزاء والا کلمہ لاگو کیا گیا۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰهِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَخَلِیْفَتُهٗ بِلَافَصْلٍ۔

دوسری طرف قرآن و حدیث کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت ۱۲ اماموں میں کسی بھی امام سے یہ کلمہ ثابت نہ کیا جا سکا ہو اور تمام خاندان نبوت میں کسی طرف سے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے علاوہ کلمہ طیبہ میں ایک حرف کا بھی اضافہ موجود نہ ہو۔ ایسے ایسے تضادات اور من گھڑت عقائد جب ایک عام انسان کے سامنے آتے ہیں تو وہ یک گو نہ شیعیت کو دیوانوں اور عقل و فہم سے عاری لوگوں کا مذہب قرار دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر موسیٰ موسوی اور ان جیسے لاکھوں شیعہ نوجوانوں کی ان عقائد سے بیزاری اور عقل و انصاف سے ماورا خیالات کے خلاف بغاوت اسی حقیقت کا کھلا اعتراف ہے۔

زیر نظر مجموعہ میں ایک طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کے تمام بزرگوں کے عقائد و افکار کو نئی نسل کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ دوسری طرف شیعہ گروہ کو از سر نو اپنے مذہب کے تضادات پر غور و فکر کرنے اور دنیا بھر کے ایک ارب سے زائد مسلمانوں سے علیحدہ روش اختیار کرنے سے روکا گیا ہے۔ ہم نے اس کتاب کے ذریعے اسلام کے سچے راستے اور محمدی شریعت کی واضح شاہراہ سے بھٹکنے والوں کے سامنے ایک صراط

مستقیم اور جادہ منزل کا پتہ دیا ہے جس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے نام پر کفریہ عقائد کو سینے سے لگانے والے سادہ لوح اور منصف مزاج شیعہ اگر حضرت محمد ﷺ اور آپ کی اولاد کی تعلیمات اپنانے میں مخلص ہوں اور خاندان نبوت کی محبت کی آڑ میں تکفیر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تحریف قرآن جیسے نظریات ان کی حقیقی منزل نہ ہوں تو وہ بھی ہدایت پا سکیں۔

میں ایک مرتبہ پھر یہ بات باور کرانا چاہتا ہوں کہ موجودہ دور کے اکثر شیعہ علماء و مجتہدین اور ایرانی علماء اور خمینی صاحب کے جملہ پیروکاروں نے اپنے مذہب و عقیدہ کی جو تصویر کشی کی ہے وہ ایک طرف حضرت محمد ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی اولاد کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہے۔ دوسری طرف دنیا کے سوا ارب مسلمانوں اور ۵۸ اسلامی ملکوں کی تمام مسلم آبادی کے عقائد سے کھلے طور پر متصادم ہے۔ ایسی صورت میں ایران اور شام کے وہ ممالک جہاں اول الذکر میں اثناعشری اور ثانی الذکر میں نصیری شیعہ کی حکومتیں قائم ہیں وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے اور اپنی مملکتوں کو اسلامی قرار دینے پر جتنا زور صرف کریں ان کے دعووں کی کوئی حقیقت نہیں۔ انہیں ان کے عقائد و نظریات کے موجب دنیا کا کوئی مسلم ملک اسلامی ریاست اور مسلم سٹیٹ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، ان کے نظریات اسلام سے کھلے طور پر متصادم اور عقائد کفر و ارتداد کے آئینہ دار ہیں۔

مذکورہ دونوں ممالک بے شک اپنے اپنے ملکوں کی سنی اقلیتوں پر ظلم کرتے رہیں ان کا ناطقہ بند کریں۔ اپنے اپنے ملکوں کے ذرائع ابلاغ کو شیعی عقائد کے فروغ کے لیے استعمال کریں لیکن ان کا دعویٰ اسلامیت کسی بھی دلیل سے تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں اگر وہ اپنے آپ کو صرف شیعہ قرار دیں اور اسلام کے ساتھ خود کو نتھی کرنے کا جھوٹ اور نفاق چھوڑ دیں تو سپاہ صحابہ کی عالمی تنظیم کو ان کے شیعی انقلاب کے برپا کرنے سے کوئی سروکار

نہیں ہو گا۔ وہ اس انقلاب کو لینن کے کمیونسٹ انقلاب کی طرح علاقائی مظالم کے خلاف ایک آواز تسلیم کر لے گی۔ ہمارا اعتراض صرف اس جھوٹ اور منافقت کے بارے میں ہے جو شیعی عقائد کو اسلامی قرار دینے کی صورت میں مسلسل جاری و ساری ہے۔ زیر نظر مجموعہ میں شیعہ کی ایران' شام' پاکستان' عراق اور دنیا بھر کی جدید نسل کو مخاطب کر کے ان کے ساتھ موعظت و نصیحت اور خیر خواہی کا اظہار کیا گیا ہے۔

ہماری یہ تحریر کسی تعصب یا تنگ نظری کی بجائے' آئینہ حقیقت کے طور پر ثبت کی گئی ہے' اسے جذبہ خیر خواہی سے سپرد قلم کیا گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کی تعلیمات سے قلبی محبت رکھنے والے ضرور اس حقیقت شناسی پر غور فرمائیں گے آج ایسی تحریر کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے جبکہ سعودی عرب' بھارت' پاکستان' بنگلہ دیش اور دنیا کے اکثر اسلامی ملکوں کے علماء اور مفتیان کی طرف سے خمینی کے شیعی انقلاب اور ان کے عقائد کے سامنے آجانے کے بعد متفقہ طور پر فتویٰ کفر سامنے آچکا ہے' جسے آج سے ۸ سال قبل ۱۹۸۸ء میں ہندوستان کے ممتاز اسلامی مفکر اور عالم دین مولانا منظور احمد نعمانی نے مرتب کر کے عالم اسلام کے ہر مفتی اور عالم کے پاس روانہ کیا اور ان کے جواب آجانے کے بعد وہ فتویٰ شائع بھی ہو چکا ہے۔ راقم کی طرف سے مرتب کی جانے والی تاریخی دستاویز کے مقدمہ میں بھی اسے من و عن نقل کیا گیا ہے اس میں عالم اسلام کے چار سو سے زیادہ علماء کے تصدیقی دستخط بھی موجود ہیں۔ نئی شیعہ نسل کے سامنے ہماری یہ تحریر نشان منزل اور مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے تاکہ وہ عالم اسلام کے متفقہ فتوؤں کی زد سے محفوظ رہے۔

اسلام اپنی حدود و قیود اور اصول و ضوابط میں اعلیٰ نصب العین کا حامل ہے۔ اس کی انفرادی اور ممتاز حیثیت اس بات سے بھی نمایاں ہوتی ہے کہ

جب کوئی ملحد اور لادین عنصر من گھڑت نظریات کے ذریعے اس کے محل میں شگاف لگانے کی کوشش کرتا ہے تو اس محل کے پہریدار اس نقب زن کی فوری نشاندہی کر کے اسلامی عمارت کو کفر و طغیان کے حملوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔

عصر حاضر میں خمینی صاحب کی طرف سے حکومتی سطح پر جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تکفیر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی گئی ہے اس پر اگرچہ کچھ دیر تو حیرت و استعجاب کا پردہ قائم رہا لیکن ایک ہی سال کے بعد ۱۹۸۰ء ہی میں اسلام کے پہریداروں نے اسلام کے خلاف خمینی کے نظریات کا پول کھول کر رکھ دیا...... آج اگر تمام اسلامی ملک ایران سے بطور پڑوسی ملک خواہ جیسے بھی قریبی تعلق قائم رکھیں لیکن ایک بھی سنی عالم ایران کے خمینی افکار کو اسلامی افکار قرار نہیں دے سکتا...... بھارت کے مفکر اسلام مولانا منظور احمد نعمانی، مصر کے ڈاکٹر فتحی اور بیروت سے جاء دور المجوس کے مولف کے بعد پاکستان کے مولانا حق نواز شہید اور ان کی قائم کردہ جماعت "سپاہ صحابہ" کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے اسلام کے نام پر پھیلنے والے اس کفر کے سامنے حصار باندھنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

حضرت مولانا حق نواز کی شہادت (۲۲ فروری ۱۹۹۰ء) کے بعد جب سے اس عالمی جماعت سپاہ صحابہ کی ذمہ داری راقم کے کندھے پر پڑی اس وقت سے اس کا پیغام پاکستان سے آگے دنیا کے ۲۶ ملکوں میں (مئی ۱۹۹۶ء) پہنچ چکا ہے۔ اب عالمی سطح پر اس کے مشن اور نصب العین کو فروغ حاصل ہو رہا ہے اس میں سپاہ صحابہ کے قائد مولانا حق نواز اور اس جماعت کے ۳۰۰ سے زائد شہداء کی قربانیوں کا دخل ہے۔ ہمارا نصب العین اور مقصد یہ ہے کہ کفر کو اسلام قرار دینے اور تحریف قرآن اور تکفیر صحابہؓ کو شریعت اسلامیہ قرار دینے پر دنیا بھر میں پابندی لگائی جائے۔ شیعہ اگر اپنے آپ کو مسلمان کہلانا چاہتے ہیں یا شیعہ مذہب کو وہ دائرہ اسلام میں داخل رکھنے کے خواہش مند ہیں

تو انہیں عقیدہ امامت، حفاظت قرآن اور تقدیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے بارے میں اپنے مروجہ اور اپنی بنیادی کتابوں میں مذکورہ عقائد سے توبہ کرنی ہو گی۔

اگر وہ انبیاء سے زیادہ مرتبہ اماموں کو عطا کریں، قرآن عظیم کو تحریف شدہ کتاب مانیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہما بالخصوص حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کو کافر و مرتد سمجھتے اور لکھتے رہیں تو عام مسلمان بھی ان کو دائرہ اسلام میں داخل نہیں سمجھ سکتا۔ لا علمی اور جہالت کے باعث کوئی سیاستدان یا حکمران انہیں مسلمانوں میں داخل بھی کر دے یا ان کو مسلم کی حیثیت سے تسلیم بھی کر لے تو حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث دنیا بھر کے سوا ارب مسلمانوں اور علماء و مفتیان کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ زیر نظر کتاب کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کی طرف سے سچے عقائد و نظریات شیعہ کی مستند کتابوں سے پیش کر کے ۳۰۰ سو سال بعد کے شیعہ کے عہد انحراف اور اس کے بعد کے کفریہ نظریات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان نبوت کی تعلیمات سے بغاوت قرار دیا گیا ہے۔ ہمیں امید ہے یہ مجموعہ طالبان حق کے لیے نشان منزل کا کام دے گا۔

ابو ریحان ضیا الرحمٰن فاروقی
سنٹرل جیل کوٹ لکھپت لاہور

۱.۶.۹۶

پہلا باب

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کے بارہ اماموں کے بارے میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے عقائد

مسلمانوں کے قدیم مکاتب فکر (مالکیؒ، حنفیؒ، شافعیؒ اور حنبلیؒ) اور جدید گروہ بریلوی، دیوبندی اور اہلحدیث اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کے تمام بزرگ اسلام کی مقتدر اور قابل قدر ہستیاں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، امام زین العابدینؒ، امام باقرؒ، امام جعفرؒ، امام موسیٰ کاظمؒ، امام رضا کاظمؒ، تقی علیؒ، نقی علیؒ اور حسن عسکریؒ اپنے اپنے دور میں ولایت و ریاضت کے مہر منیر تھے۔ ان کا تقدس اور بزرگی مسلم تھی، انہوں نے آنحضرت ﷺ کی شریعت کی پاسداری اور آپ ﷺ کی سنت کے فیضان کو فروغ دیا۔ ان حضرات کو تقویٰ و طہارت، بزرگی و ولایت اور روحانی کمالات میں اعلیٰ مقام حاصل تھا، وہ نیکی اور تقویٰ میں پیشوا اور مقتداء کا درجہ رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ امام کا لفظ بھی ان کی بزرگی کی عظمت کے اعتراف کا آئینہ دار ہے۔ دنیا کے کسی مسلمان کے دل میں اس کے بارے میں میل نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے کبھی اپنے آپ کو انبیاء سے بلند نہیں بتایا، نہ ہی ان میں کسی نے کلمہ طیبہ میں تحریف کر کے "علی ولی اللہ" کا لاحقہ لگایا۔ تاریخ اسلام کے کسی مستند ذخیرے میں ان کی طرف سے خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل بیت عظام (ازواج مطہرات) کے خلاف کوئی روایت نہیں ملتی۔ انہوں نے ساری زندگی

۶۶۶۶ آیات پر مشتمل اسی قرآن کو خدا کی آخری اور مکمل کتاب سمجھا، نبوت ہی کے درجہ کو خدا کا سب سے بڑا اعزاز قرار دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی بزرگی کو نہ صرف یہ کہ تسلیم کیا بلکہ اپنے بیشتر خطبوں میں ان کی بزرگی کا کھلا اعلان کیا ان کی عظمتوں کے نغمے سرائے، ان کی خلافت و قیادت کو حق جانا، ان کے ادوار خلافت اور حکومتوں کو اسلام کی سچی ریاستیں اور محمدی نبوت کا عکس و آئینہ قرار دیا۔

مسلمانوں کے تمام گروہوں کا اہل بیت کی محبت پر اتفاق ہے

مسلمانوں کے تمام گروہ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ عبداللہ بن سبا کی کوکھ سے جنم لینے والے ایک گروہ نے جو اپنے آپ کو شیعان علی کہلاتا ہے، پہلے تو ائمہ اہل بیت کی محبت کے بلند بانگ دعوے کیے پھر ۱۰۳ھ میں اسی گروہ نے باقاعدہ ایک مذہب اور الگ نظریے کی بنیاد رکھی۔ مسلمانوں سے علیحدگی کے باعث اس گروہ کو "رافضی" یعنی الگ ہونے والا گروہ قرار دیا گیا۔ اس گروہ کے عہد انحراف ۱۰۳ھ کے بعد احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کئی ذخیرے تیار کیے گئے جن میں دیگر من گھڑت روایات کے علاوہ ائمہ اہل بیت کی طرف غلط روایات منسوب کر کے مذاہب کی دنیا میں ایک بہت بڑا طوفان برپا کر دیا گیا۔

اصول کافی، تہذیب الاحکام، من لا یحضرہ الفقیہ اور الاستبصار کے نام سے احادیث کے چار مجموعوں میں تحریف قرآن، تحریف کلمہ طیبہ اور تکفیر خلفاء الراشدین و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت آپ کے تمام بیٹوں کی طرف ایسی ایسی روایات منسوب کر دی گئیں جو ان کی زندگی کے تابناک کردار سے متصادم تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات میں تبدیلی، ائمہ کی تعلیمات میں ردو

بدل، اولاد علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایسی ایسی خرافات اور بے بنیاد باتیں منسوب کی گئیں۔ جو ایک طرف عقل و انصاف کے تقاضوں سے بغاوت کرتی تھیں۔ دوسری طرف ائمہ کی تعلیمات کے بالکل برعکس تھیں۔

ہم نے زیر نظر مجموعہ میں ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی سچی تعلیمات اور آپ کے روشن کردار کو آشکار کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہم نے اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شیعان علی سے کھلی ناراضگی اور ائمہ کی طرف منسوب کی گئی روایات کے بارے میں ائمہ کی بیزاری اور کھلی برات کو انہی کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔

کوئی مسلمان خاندان نبوت سے بغض کا تصور بھی نہیں کر سکتا

دنیا کا کوئی مسلمان اس بات کا تصور ہی نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی اولاد کے ایک درجن کے قریب بزرگوں میں کوئی شخص ازواج مطہرات رض کی عظمت کو بٹہ لگا سکتا ہے، خلفاء راشدین رض کی تکفیر کر سکتا ہے، صحابہ کرام رض کو فاسق و منافق قرار دے سکتا ہے۔ بلکہ ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم ایسی ہر تصریح سے محفوظ اور مبرا ہیں۔ ان کی تابناک اور روشن زندگیوں میں قرآن و حدیث کی ہدایات سے متصادم شمہ بھر عمل کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ۱۲ اماموں کے نام پر "اثنا عشری مذہب" کی تشکیل ائمہ سے کھلی بغاوت ہے۔ اسلام کے مقابلے میں مدون ہونے والے اس مذہب کے کسی ایک اہم خبر کو بھی کسی امام کی ادنیٰ تائید بھی حاصل نہیں۔ یہ مذہب صرف اسلام کی سچی تصویر اور اس کے اچھے کردار کو داغدار بنانے کے لیے گھڑا گیا ہے، اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کے بزرگوں کے نام کو آڑ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ ان بزرگوں کی آڑ ہی میں تحریف قرآن اور تکفیر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ڈرامہ رچایا گیا

ہے۔ تبدیلی قرآن اور تکفیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کی طرف جو باتیں انہوں نے منسوب کی ہیں ان کی کیا حیثیت ہے۔ باقاعدہ تدوین مذہب سے قبل ائمہ اہل بیت کے دور میں بھی ان باتوں کی بازگشت جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کا کوئی فرد سنتا تھا تو ان کا جواب یہ ہوتا تھا

شیعہ ہی کی معتبر کتاب "رجال کشی" ص ۲۵٦ مطبوعہ کربلا عراق کی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"ابو یحییٰ واسطی نے کہا امام رضاؒ نے فرمایا، بنان علی بن حسین رضی اللہ عنہ (امام زین العابدین رضی اللہ عنہ) پر تہمت لگاتا تھا، مغیرہ بن سعید ابو جعفر رضی اللہ عنہ (امام باقر رضی اللہ عنہ) پر تہمت لگاتا تھا، محمد بن بشیر امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ پر اتہام کرتا تھا اور ابوالخطاب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پر الزام لگاتا تھا اور محمد بن فرات کی بھی تکذیب کرتا تھا، اللہ ان سب تکذیب کرنے والوں کو گرم لوہے کا عذاب چکھائے"۔

اسی کتاب کے ص ۱۳۴ پر ہے:

"ابی سیاد نے کہا، میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے برید اور زرارہ (شیعہ کا مشہور راوی) پر اللہ کی لعنت ہو"۔

حج کے ایک واقعہ کی روایت کے بارے میں امام جعفر صادقؒ نے راوی سے زرارہ کے بارے میں فرمایا:

"نہ اس طرح اس نے مجھ سے سوال کیا نہ ایسا میں نے اس کو جواب دیا۔ اس نے مجھ پر جھوٹ بولا، اللہ کی اس پر لعنت۔ (یہ لفظ تین مرتبہ فرمائے) راوی نے جب دوبارہ زرارہ سے جا کر کہا کہ میں

نے یہ صحیح کا مسئلہ ایسے بیان نہیں کیا تو زرارہ نے کہا تمہارا یہ صاحب لوگوں کے کلام کی بصیرت نہیں رکھتا"۔

("رجال کشی" ص ۱۳۲ مطبوعہ کربلا عراق)

زرارہ اصول اربعہ کا سب سے اہم راوی ہے۔ اب جب ۳۰۱ھ کے بعد یہ مذہب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کی محبت کے نام تیار کیا گیا تو اس کی حیثیت ائمہ اہل بیت کی مذکورہ تصریحات کے آئینے میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن عظیم کی ساڑھے سات سو آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی عظمت کے اعلان کے بعد ائمہ اہل بیت" کا کوئی فرد ان بزرگوں کے خلاف کسی بات کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔

قرآن کی حفاظت کے خدائی وعدے کے بعد اس میں تحریف اور تبدل کا عقیدہ بھی اہل بیت کا کوئی بزرگ نہیں اپنا سکتا۔ نبوت سے امامت کے برتر ہونے کا غیر اسلامی عقیدہ بھی کسی بزرگ کا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح "امام" جس کا معنی مطلقاً "پیشوا" اور مقتداء تھا اس کے لغوی اور اصطلاحی معنوں سے انحراف کر کے اس میں "نبوت سے برتری" اور "صفات الٰہیہ" کا حامل ہونا پنہاں کر دیا گیا۔ "امام" کے لفظ کو نبی ﷺ سے بلند تر قرار دے کر اس میں خدائی صفات سمو دی گئیں۔

اسلام سے انحراف، دین محمدی سے بغاوت، ائمہ اہل بیت سے کھلے مذاق اور قرآنی تعلیمات سے دوری کی اس سے بدترین مثال کوئی نہیں ہو سکتی۔ "ائمہ اہل بیت" اپنی بزرگی اور ولایت کے اعتبار سے اپنے اپنے دور کی مقدس شخصیات ہیں، لیکن انہیں ایک طرف ماکان ما یکون کا عالم قرار دے کر ان کی طرف خدائی صفات منسوب کر دی گئیں۔ دوسری طرف انہیں اقتدار و خلافت و نیابت پیغمبر ﷺ سے محروم قرار دے کر خلفاء راشدین کو

غاصب قرار دے دیا گیا۔

اسلام کی حیثیت پاپائیت یا موروثی نظام کی نہیں بلکہ اس میں ہر عہدہ کے لیے صلاحیت و تدین اور لیاقت و قابلیت کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ لیکن اثنا عشری مذہب اسلام کو صرف اولاد رسول ﷺ کے دائرے میں رکھ کر اس کی آفاقی اور عالمگیر حیثیت کو ختم کرنے پر تلا ہوا ہے۔ ہر صاحب اقتدار کے بعد اس کا بیٹا اس کا جانشین قرار دے کر اسے نبوت سے بڑا مرتبہ عطا کرنا اسلام کے کسی حکم سے ثابت نہیں ہوتا' نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ یا آپ کی اولاد کے کسی ایک فرد ہی نے ایسے "تصور اسلام" کی حمایت کی ہے۔ ائمہ اہل بیت ؓ کی حیثیت مقتداء اور پیشواء کی ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ کے سچے پیروکار اور آپ کے امتی کی حیثیت سے اسلام کے ہر طبقے میں معزز و محترم مقام کے حامل ہیں۔

دوسرا باب

○ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کے نامور اساطین اور اماموں کا مختصر تعارف ○ احوال وسوانح

۱- حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات

خاندان:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاندان بنی ہاشم ہے۔ قریش مکہ میں اس خاندان کا مقام و مرتبہ نہایت ممتاز تھا۔ حرم کعبہ کی خدمت اسی خاندان کے ذمہ تھی۔

("البدایہ" ج ۲، ص ۲۵۴)

بنو ہاشم کا اس سے بھی بڑا اعزاز یہ تھا کہ دنیا کے سب سے بڑے سردار اور مقصود کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی خاندان میں پیدا کیے گئے۔ یہ خاندان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مکہ مکرمہ میں آمد کے بعد سے اسی دیار میں آباد تھا۔ قریش کے دیگر خاندانوں میں بنو ہاشم ہی سب سے زیادہ ممتاز اور بزرگی کے حامل تھے۔

والد کا نام ونسب:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد کا نام عبد مناف اور ان کی کنیت ابو طالب

تھی۔ سلسلہ نسب یوں ہے۔ علی بن ابو طالب (عبد مناف) بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔

عزو شرف:

حضرت علی ؓ کے والد ابو طالب عبد مناف اور حضور ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ حقیقی بھائی تھے۔ ابو طالب عبد مناف' عبد اللہ اور زبیر عبد المطلب کے تینوں بیٹے' فاطمہ بنت عمرو بن عائذ کے بطن سے تھے۔

("البدایہ" ج ۲' ص ۲۸۲)

والدہ:

حضرت علی ؓ کی والدہ فاطمہ بنت اسد ؓ تھیں۔ یہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں جن کی شادی ہاشمی خاندان میں ہوئی' اس طرح آپ نجیب الطرفین ہاشمی ٹھہرے۔ آپ ؓ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ فاطمہ بنت اسد ؓ کی وفات ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کے کفن دفن کے انتظامات فرمائے اور اپنا قمیض مبارک ان کے کفن میں شامل فرمایا تو قبر تیار ہونے کے بعد پہلے خود قبر میں داخل ہوئے۔

("اسد الغابہ تحت فاطمہ بنت اسد")

برادران اور خواہران:

ابو طالب کے چار فرزند تھے' طالب' عقیل' جعفر اور علی نسب قریش میں ہے کہ چاروں بیٹوں کی پیدائش کے دوران دس دس برس کا وقفہ تھا۔

عقیل کے ایک بیٹے کا نام یزید تھا جس کی وجہ سے ان کی کنیت ابو یزید تھی۔

("طبقات بن سعد" ج ۴، ص ۲۹)

طالب غزوہ بدر میں کفار کی جانب سے تھے اور کفر پر موت آئی۔ باقی تینوں بھائی اسلام سے مشرف ہوئے۔ عقیل نے صلح حدیبیہ کے بعد جعفر نے ابتدائی بیس آدمیوں میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔

("طبقات ابن سعد" ج ۴، ص ۲۹)

بہنیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہنیں دو تھیں ام ہانی فاختہ بنت ابو طالب اور جمانیہ بنت ابو طالب۔

ولادت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ آپ کی ولادت شعب بنو ہاشم میں ہوئی۔

("الاصابہ ابن حجر" ج ۴، ص ۱۶۴)

آپ کی ولادت کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کعبہ میں آپ کی ولادت کا قول نقل کیا ہے لیکن علماء کی اکثریت نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔ تاہم ولادت کعبہ کے قول کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یہ کوئی نئی بات نہیں۔ حضرت خدیجہ کے بھانجے حکیم بن حزام بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کئی سال پہلے کعبہ میں پیدا ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث نے کعبہ کی پیدائش کو عظمت کا حامل قرار نہیں دیا۔

یہ ایک اتفاقی واقعہ ہے کیونکہ خانہ کعبہ عبادت خانہ ہے ولادت خانہ نہیں ہے۔

سن ولادت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے تیس سال بعد پیدا ہوئے۔

نام:

ولادت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے آپ کا نام اسد اور ابو طالب نے علی رکھا۔ آپ کے القاب (اسد اللہ۔ حیدر۔ المرتضیٰ) ہیں۔ کنیت ابو تراب مشہور ہوئی۔

تربیت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ دو سال کی عمر میں آنحضرت ﷺ کے گھر آئے اور یہیں آپ کی تربیت ہوئی۔ جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ کی عمر ۲۹ سال تھی۔

ہجرت:

آنحضرت ﷺ کی زندگی کا مشکل ترین دور بعثت کے بعد ۱۳ سالہ مکی دور تھا۔ اس دور میں آپ پر مصائب کے جھکڑ آئے، مشکلات کی وادی میں آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت اتارا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جاں گسل عواقب اور المناک تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف آپ کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کا حکم ہوا۔ اس موقع پر آپ نے جس رات مکان سے ہجرت کا آغاز کیا وہ بھی تاریخ اسلام کا انوکھا عنوان ہے۔ شب ہجرت آپ نے اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سلایا۔ لوگوں کی امانتیں بھی آپ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر سے ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مکہ مکرمہ تین روز قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے اس وقت آپ قبا میں عدم بن کلثوم کے مکان پر قیام پذیر تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہیں سے آپ کے قافلے میں شریک ہو گئے۔

("البدایہ" ج ۳ ص ۱۷۷)

مواخات

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ منورہ پہنچے تو آپ نے ایک خصوصی حکمت عملی کے تحت دو دو آدمیوں میں مواخات قائم کی۔ یہ برادرانہ ربط معاشی اور معاشرتی اتار چڑھاؤ کو ختم کرنے کے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ مہاجرین اور انصار میں یہ ربط جب قائم ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مواخات سہل بن حنیف انصاری کے ساتھ ہوئی۔

("از خطیب بغدادی" ص ۷۰)

غزوہ بدر میں شرکت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت جرات و بسالت اور اعلیٰ شجاعت کے تاریخی کارنامے سرانجام دیے

جس سے اسلام کی تاریخ روشن ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جنگ احد میں ابتدائی مبارزت میں جن تین افراد کو سب سے پہلے میدان میں اترنے اور بالمقابل موجود کو ناکوں چنے چبوانے کا حکم دیا ان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تیسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تمام جنگوں بالخصوص احد اور خیبر میں شجاعت و بہادری کے ایسے ایسے جوہر دکھائے جو اسلامی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے ہوئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جرات و بسالت تاریخ اسلام میں درخشندہ آئینہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

("البدایہ" ج ۳، ص ۲۷۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور زوجین کی عمر

(از سیرۃ علی المرتضیٰ مولانا محمد نافع صاحب)

ماہ رجب ۲ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آنجناب ﷺ نے کر دیا تھا اور نکاح کا مہر چار صد مثقال مقرر کیا گیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس (۲۱) یا چوبیس برس کی تھی اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی عمر علی الاختلاف اقوال پندرہ، اٹھارہ یا انیس سال کے قریب تھی۔

("شرح مواہب الدینہ" ج ۲، ص ۳)

مجلس نکاح:

انعقاد نکاح کے لیے یہ بابرکت اجتماع بالکل سادہ' تکلفات زمانہ سے مبراء اور رسومات مروجہ سے خالی تھا۔ اس مبارک نکاح کی تقریب میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ' سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ' سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے اور شاہد نکاح تھے۔ اہل سنت و شیعہ علماء دونوں نے ان بزرگوں کی شمولیت و شہادت نکاح کو درج کیا ہے اور خطبہ نکاح جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔

("ذخائر العقبیٰ المحب الطبری" ص ۳۰ باب ذکر تزویج فاطمہ رضی اللہ عنہا)

جہیز:

طبقات ابن سعد اور مسند احمدؒ کی روایات کی روشنی میں رخصتی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے موقع پر آپ کو جو جہیز دیا گیا وہ ایک چارپائی' ایک بڑی چادر' چمڑے کا تکیہ (جو کھجور کی چھال یا خوشبودار گھاس اذخر سے بھرا ہوا تھا) ایک مشکیزہ' دو کوزے اور ایک آٹا پیسنے کی چکی پر مشتمل تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خانہ مبارک میں شادی کے موقعہ پر یہ مختصر سامان زاہدانہ معیشت کے لیے کافی اور مکتفی تھا۔ جہانداری کی زیب و زینت کا کوئی نشان تک نہ تھا اور اہل ثروت کا سامان تعیش مفقود تھا اور متمولین جیسی آرائش معدوم تھی۔

("مسند احمدؒ" ج ۱ ص ۱۰۴ تحت مسندات علویؓ)

حصول مکان اور رخصتی

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سکونتی مکان کے لیے

اپنے ایک صحابی حارثہ بن نعمان ؓ کے مکان کا ذکر فرمایا۔ حارثہ ؓ پہلے بھی آنجناب ؓ کی خاطر ایک مکان پیش کر چکے تھے تو اس دفعہ حضرت علی ؓ اور حضرت فاطمہ ؓ کے لیے حارثہ ؓ بن نعمان سے پھر ایک مکان لینے میں آپ کو تردد ہوا۔ یہ بات جب حارثہ ؓ تک پہنچی تو حارثہ ؓ بن نعمان نے خود آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض داشت پیش کی کہ

"یارسول اللہ ﷺ میں اور میرا مال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے حاضر ہے جو مکان آپ ﷺ مجھ سے حاصل فرمائیں گے وہ میرے لیے اس مکان سے زیادہ پسندیدہ ہو گا جو آپ ﷺ میرے لیے چھوڑیں گے"۔

تو آنحضرت ﷺ نے ان کا مکان حضرت علی ؓ و حضرت فاطمہ ؓ کے لیے قبول فرمایا اور دعائے خیر کے کلمات کہتے ہوئے فرمایا بارک اللہ علیک، یا فرمایا بارک اللہ فیک اس کے بعد اس مکان میں سیدہ فاطمۃ الزہرا ؓ کی رخصتی کا انتظام کیا گیا اور مکان کی تیاری کے سلسلہ میں صفائی اور دیگر ضروری انتظامات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے حضرت ام سلمہ ؓ کی معاونت سے مکمل فرمائے۔ مکان کی تیاری کے بعد ذوالحجہ ۲ ہجری میں سردار دو جہاں ﷺ نے اپنی لخت جگر فاطمہ ؓ کو حضرت علی ؓ کے اس مکان کی طرف اپنی خادمہ ام ایمن ؓ کی معیت میں پیادہ پا روانہ فرمایا اور اس طرح خاتون جنت ؓ کی رخصتی اس سادہ سی تقریب کی صورت میں مکمل ہوئی۔ جس میں مروجہ رسومات کا کوئی شائبہ تک نہ تھا اور یہ عمل امت کے لیے تعلیم کا بے مثل نمونہ تھا۔ اس موقعہ کے متعلق حضرت عائشہ ؓ اور حضرت جابر ؓ فرمایا کرتے تھے۔

وما اریْنا عرسا احسن من عرس فاطمۃ رضی اللہ عنہا

ترجمہ: "یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سے بہتر اور عمدہ ہم نے کوئی شادی نہیں دیکھی"۔

دعوت ولیمہ:

رخصتی کی اس مبارک تقریب کے بعد دعوت ولیمہ کا مختصر سا انتظام کیا گیا جس میں جو کی روٹی، کچھ کھجور اور پنیر سے اپنے احباب کے لیے دعوت طعام ترتیب دی گئی۔ یہ اس بابرکت شادی کا متبرک ولیمہ تھا جس میں نہ تکلف تھا نہ تصنع اور نہ ہی قابل تفاخر مد نظر تھا۔ دعوت ولیمہ ایک سنت طریقہ ہے۔ اس سنت کو نمود و نمائش کے بغیر نہایت سادگی سے ادا کیا گیا اور اہل اسلام کے لیے اس میں عملی نمونہ پیش کیا گیا۔

("تاریخ الخمیس" ج ۱، ص ۴۱۱ تحت بناء علی رضی اللہ عنہ بہ فاطمہ)

دعائیہ کلمات:

جب انتظامی مراحل مکمل ہو گئے اور رخصتی بھی ہو چکی تو آنحضرت ﷺ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس موقعہ پر مناسب حال نصائح و ہدایات ارشاد فرمائیں اور زوجین رضی اللہ عنہما کے لیے یہ دعائیہ کلمات کہے۔

اللھم بارک فیھما وبارک علیھما وبارک لھما وا لنسلھما۔

ترجمہ: "یعنی اے اللہ! زوجین کے مال و جان میں برکت عطا فرما اور ان کی اولاد کے حق میں بھی برکت فرما"۔

("الاصابہ لابن حجر" ج ۴ ' ص ۳۶۶ تحت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا)
(بحوالہ کتاب "علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ" ص ۳۰ مولانا محمد نافع صاحب)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ .... خلفاء ثلاثہ کے دور میں

عہد صدیقی:

نبی اقدس ﷺ کے وصال کے بعد "صدیقی عہد" اسلام میں سب سے اعلیٰ دور ہے۔ اس وقت احیائے دین اور بقائے ملت کے استحکام کی شدید ضرورت تھی۔ ان اہم مراحل میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان میں سے یہاں ہم نے یہ چند ذکر کر دی ہیں۔ مثلاً

۱۔ مرکز اسلام "مدینہ طیبہ" کی نگرانی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کردار۔
۲۔ مقام ذوالقصہ کی طرف خلیفہ اول کا اقدام اور علوی تعاون۔
۳۔ خلیفہ کے ساتھ علوی روابط۔
۴۔ تقسیم اموال و غنائم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تولیت۔
۵۔ اہم دینی مسائل میں آپ سے مشاورت۔
۶۔ دیگر انتظامی امور میں مشاورت۔
۷۔ تدوین قرآن کے کارنامے کی تائید و توثیق۔
۸۔ اموال غنائم کا حصول اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کنیزوں کا قبول کرنا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صدیقی دور میں اسلام کے تمام اہم امور میں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے اور ان سے پوری طرح متفق رہے اور ان کے کارناموں میں ان کے ساتھ متحد و متعاون رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قولی و فعلی زندگی عہد صدیقی میں واضح

زیر شہادت دیتی ہے کہ اس دور کے تمام دینی و انتظامی مسائل بالکل درست تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان کے ساتھ کامل اتفاق تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ان کے نزدیک باطل نہیں تھی، برحق تھی۔ جو حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان اقوال و افعال کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں اور مجبوری و مصلحت بینی کی زندگی قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارفع مقام کو اور ان کے اعلیٰ اخلاق و کردار کو کئی گوناگوں اعتراضات کے ساتھ داغدار کر دیا ہے۔

("از سیرہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ" ص ۱۶۳)

عہد فاروقی:

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں بڑے اہم مناصب پر فائز رہے ہیں اور ان کا حکومت اسلامیہ میں بڑا بلند مقام تھا۔ مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے اور قضاء و افتاء کے مرتبہ میں چیف قاضی اور مفتی اعظم تھے اور مجلس مشاورت میں ان کے مشورے کو خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ بعض اوقات حضرت علیؓ کو حضرت عمرؓ کی نیابت مدینہ منورہ پر حاصل ہوتی تھی۔ عہد فاروقی میں ان کو غنائم اور ہدایا برابر ملتے رہے اور آپ انہیں قبول کرتے رہے۔

مزید برآں ان کا خلیفہ ثانی سے رشتہ داری کا تعلق ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ یعنی حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم کا حضرت فاروق اعظم کے نکاح میں ہونا مسلمات میں سے ہے۔

یہ تمام چیزیں حضرت علی المرتضیٰ کے خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظمؓ کے ساتھ عملی تعاون کی بہترین نظیریں ہیں اور شیعہ علماء و مجتہدین نے حضرت علیؓ کے اس تعاون اور تعامل کو عبارت ذیل کی شکل میں تسلیم کیا ہے۔ بعید

مرتضیٰ علم الہدیٰ لکھتے ہیں کہ:

"...... حتی بایع القوم و حضر مجلسھم و دخل فی آراءھم وصلی مقتدیا بھم واخذا اعطیتھم"

۱۔ "یعنی حضرت علیؓ نے خلفاء ثلاثہؓ کی بیعت کی۔

۲۔ اور ان کی مجالس میں شامل ہوتے رہے۔

۳۔ اور ان کے مشوروں اور آراء میں داخل اور شریک رہے۔

۴۔ اور ان کی اقتداء میں دائما نمازیں ادا کرتے رہے۔

۵۔ اور ان کے عطیات اور اموال حاصل کرتے رہے"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عملی زندگی کا یہ ایک مختصر نمونہ ہے جو پیش خدمت کیا گیا، جس سے فاروقی دور میں حضرت علیؓ کا کردار آشکار ہوتا ہے اور خلیفہ ثانی کے ساتھ آپ کا تعاون واضح ہوتا ہے۔

(حضرت علی المرتضیٰ، ص ۱۸۲، ۱۸۳، مصنفہ مولانا محمد نافع صاحب)

عہد عثمانی:

- حضرت علیؓ اور حضرت عثمان کا باہم نسبی تعلق اور خاندانی قرب باقی خلفاء سے زیادہ ہے۔
- اور بخوشی و رضا حضرت عثمان کے ساتھ حضرت علیؓ کا بیعت کرنا مسلم ہے۔ اہم امور خلافت میں مشورے دینا۔
- افتاء و قضاء کے مناصب قبول کرنا۔
- دیگر امور (ملکی انتظامات) میں شامل و شریک ہونا۔
- جمع مصاحف جیسے اہم مسائل میں ساتھ ہونا۔

○ اس دور کی قومی و ملی جنگوں میں اولاد ابی طالب کا شریک ہونا اور غنائم و عطایا مالی حاصل کرنا وغیرہ وغیرہ۔

یہ تمام امور حضرت علیؓ کے عملی کردار و اخلاق کو واضح کرتے ہیں اور مسئلہ تعاون کو خوب آشکارا کرتے ہیں۔ ان چیزوں کو وقتی مصلحت مبنی پر محمول نہیں کیا جا سکتا اور تقیہ کی غلط تاویل کے ساتھ موول نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ تاویل روایت و درایت دونوں کے خلاف ہے۔ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی شان دیانت اور شان اخلاص سے اس کی امید نہیں کی جا سکتی۔

(حضرت علی المرتضیٰ، ص ۲۰۷، مولانا محمد نافع صاحب)

حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے اور فرماتے تھے قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں گھسے بیٹھے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر ان سے قصاص لیں تو اہل شام میں سے سب سے پہلے میں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کروں گا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی بصیرت اور نظر و فکر سے کون انکار کر سکتا ہے۔ جب ان کے ذہن میں تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں تمام شرائط خلافت موجود ہیں۔ صرف ایک مطالبہ ان کی بیعت میں حائل ہے۔ تو اب کسے حق پہنچتا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہے کہ آپ سیاسی حیثیت سے کمزور تھے اور آپ کا سیاسی وزن نسبتاً کم تھا۔ حضرت ابو الدرداء اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ جب فریقین میں رفع نزاع کی کوشش کر رہے تھے تو آپ نے انہیں کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو میری طرف سے جا کر بتلا دو۔

فقولا لہ فلیقد من قتلہ عثمان ثم انا اول من بایعہ من الشام۔

ترجمہ: "آپ کہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو سزا دیں پھر پہلا میں ہوں جو اہل شام میں سے ان کی بیعت کرے گا۔ آپ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) جب کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے تو انہیں ابن عمی (میرے چچا زاد بھائی) کہہ کر ذکر کرتے"۔

جو لوگ اصطلاحات عرب سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ الفاظ کس پیار کے انداز میں کہے جاتے ہیں اور یہ کس نظر و فکر کا پتہ دیتے ہیں۔

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اختلافات چل رہے تھے تو شاہ روم نے سلطنت اسلامی پر حملے کی ٹھانی اور سمجھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میرا ساتھ دیں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے وہ مشہور پیغام لکھا جس کا آغاز "او رومی کتے" سے ہوتا ہے۔

واللہ لمن لم تنتہ وترجع الی بلادک یا لعین لاصطلحن انا وابن عمی

ترجمہ: "بخدا اگر تو اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور اپنے علاقے کو واپس نہ لوٹا تو اے لعین میں اور میرا چچا زاد بھائی (علی رضی اللہ عنہ) مل جائیں گے اور میں تجھے تیرے ملک سے نکال کر دم لوں گا اور زمین جو وسیع پھیلی ہے تجھ پر تنگ کر دوں گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم و فضل کا اقرار

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر پہنچی تو بے اختیار رو پڑے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے کہا آپ تو ان سے لڑتے رہے ہیں۔ ان پر رونا کیسا؟ آپ نے فرمایا تجھے کیا پتہ آج دنیا کس قدر

علم و فضل اور ذخیرہ فقہ سے محروم ہو گئی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

لما جاء خبر قتل علی الی معاویۃ جعل یبکی فقالت لہ امرأتہ تبکیہ وقد قاتلتہ؟ فقال ویحک انک لاتدرین مافقد الناس من الفضل والفقہ والعلم۔

ترجمہ: "جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچی تو رونے لگے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا آپ رضی اللہ عنہ ان پر رو رہے ہیں آپ تو ان سے لڑتے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیرا برا ہو تو نہیں جانتی آج لوگوں نے کس قدر علم و فضل اور فقہ کو کھو دیا ہے"۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فقہاء صحابہ میں سے تھے اور فقہ میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے کیونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو خود بڑے فقیہ تھے جب آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فقاہت کے قائل اور اس درجہ معترف ہیں تو آپ اندازہ کریں اہل فن کی شہادت مشہود لہ کی فنی شان کو کس قدر دوبالا کرتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں ضرار اسدی سے کون واقف نہیں۔ ضرار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہیں؟ اس نے کہا آپ مجھے معاف رکھیں تو بہتر ہو گا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پھر اصرار کیا کہ تجھے کچھ نہ کچھ بتانا ہی ہو گا پھر اس نے آپ کے کچھ اوصاف بیان کیے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رو پڑے یہاں تک کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ تقریباً سبھی شارحین نہج البلاغہ نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

وکان ضرار من اصحابه علیه السلام فقد خل علی معاویہ بعد موته فقال صف لی علی فقال تعافینی عن ذلک فقال واللہ لتفعلن فتکلم بهذا الفضل فبکی معاویہ حتی خضلت لحیته۔

ترجمہ: "ضرار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی صفت بیان کرو۔ انہوں نے کہا کہ آپ مجھے اس سے معاف رکھیں آپ نے کہا تجھے ایسا کرنا ہوگا اس پر اس نے (ضرار نے) آپ کے علم و فضل کو بیان کیا یہاں تک کہ معاویہ رضی اللہ عنہ رو پڑے اور آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی"۔

نہایت افسوس ہے کہ کوفہ کے لوگوں نے تقیہ کا مسئلہ ایجاد کر کے علم کے اس بیش بہا ذخیرے کو یونہی ضائع کر دیا۔ ضرباب میں ان سے دو دو روایتیں چلنے لگیں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ کس قدر علم صحیح مشتبہ کر دیا گیا ہے۔ امام مسلم صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

عن الاعمش عن ابی اسحق قال لما احدثوا تلک الاشیاء بعد علی قال رجل من اصحاب علی قاتلهم اللہ ای علم افسدوا۔

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد جب لوگوں نے ان کے نام سے ایسی باتیں گھڑیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد نے کہا خدا ان لوگوں کو غارت کرے کتنا علم ان لوگوں نے فاسد کر دیا

ہے"۔

ان لوگوں نے آپ کے علم کو اس درجہ مشتبہ کر دیا کہ اب ان کی وہی روایات لائق اعتبار سمجھی جاتی ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کریں۔ کوفہ میں محفوظ علمی مسند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہی رہ گئی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دارالحکومت یہی کوفہ تھا۔ آپ جن لوگوں میں گھرے تھے انہوں نے آپ کی طرف وہ کچھ منسوب کر ڈالا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جب ان مسائل کو دیکھتے تو صاف کہہ دیتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ ہرگز نہ کیا ہوگا یہ تو غلط ہے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

لم یکن یصدق علی فی الحدیث الا من اصحاب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہی حدیث صحیح سمجھی جاتی ہے جو آپ رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد سے روایت ہے"۔

اس وقت اس سازش پر بحث نہیں کہ آل یہود نے کس بے دردی سے اس ذخیرہ علم کو ضائع کیا کہنا صرف یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے شدید سیاسی مخالف نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کے علم و فضل کا صریح لفظوں میں اقرار کیا ہے اور یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایسا جلی وصف ہے جو ہر موافق و مخالف سے خراج تحسین حاصل کر رہا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ واقعی باب علم (علم کا دروازہ) تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت انا مدینۃ العلم وعلی بابھا یا انا دارالحکمۃ وعلی بابھا ثابت ہو نہ ہو لیکن اس حقیقت کے اعتراف سے چارہ نہیں کہ آپ واقعی علم کا دروازہ تھے۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ یہ صرف یکطرفہ ذہنیت تھی۔ نہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کھلے طور پر کہتے تھے کہ ہم ایمان میں ان سے بڑھ کر نہیں اور وہ ایمان میں ہم سے زیادہ نہیں معاملہ برابر کا سا ہے۔ ہمارا اختلاف صرف خون عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہوا اور خدا جانتا ہے کہ ہم اس سے بری ہیں "اس میں یعنی ان کے قاتلوں کو پناہ دینے میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے۔

شریف رضی (۴۰۴ھ) لکھتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان ربنا واحد و نبینا واحد و دعوتنا فی الاسلام واحد لانستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا الامر واحد۔

ترجمہ: "ہم دونوں ایک رب اور ایک نبی ﷺ کے ماننے والے ہیں۔ اسلام میں ہم دونوں فریق کی دعوت ایک ہے۔ ہم ان سے ایمان باللہ اور تصدیق رسالت محمدیہ میں کسی اور چیز کے طالب نہیں اور نہ وہ ہم سے (ایمانیات میں) کسی اور چیز کا اضافہ چاہتے ہیں۔ ہمارا اور ان کا (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا) معاملہ ایک ہے"۔

دیکھئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کس دیانت سے اپنے آپ کو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک مقام پر لا کھڑا کیا ہے اور کس صفائی سے اپنے ایمان کو اور اہل شام کے ایمان کو یکساں بتلایا ہے۔ آپ فرما رہے ہیں کہ رسالت محمدیہ ﷺ کا پروانہ ہونے میں ہم دونوں ایک ہیں اور ہمارا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے کوئی دینی اختلاف نہیں امور سلطنت میں جو اختلاف ہے وہ اور نوع کا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ موقف ہم نے سرسری طور پر ذکر کیا ہے۔ اصل موضوع یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں کیسے تھے۔ سو الحمد للہ اس پر ہم پہلے شہادت پیش کر چکے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تربیت کے لیے تشریف لائے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک دو سال تھی' وفات رسول کے وقت آپ ۲۹ سال کے تھے۔ اس طرح ۲۷ سال تک آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت فیض سے اعلیٰ کمالات اور عمدہ صفات کا حظ وافر پایا..... بچوں میں سب سے پہلے آپ مسلمان ہوئے' آپ اسلام کے اولین مسلمانوں میں تیسرے نمبر تھے۔

تمام قرآنی آیات جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سابقین اور اولین گروہ کے فضائل ہیں' ان تمام سے آپ کی فضیلت آشکار ہو رہی ہے۔ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے جنت' رضامندی اور اعلیٰ نعمتوں کی بشارت دی گئی ہے اس میں آپ براہ راست شامل ہیں۔

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه۔ الخ

ترجمہ: "جو لوگ اول قبول اسلام کرنے والے ہیں' سب سے پہلے ہجرت کرنے والے ہیں' سب سے پہلے مدد کرنے والے ہیں اور جو ان کے پیروکار ہوئے' نیکی کے ساتھ اللہ ان سے راضی ہوا وہ اللہ سے راضی ہوئے ان کے واسطے اللہ نے باغات اور بہتی نہریں تیار کر رکھی ہیں"۔

اسی طرح جس آیت کریمہ میں خلافت کا وعدہ کیا گیا ہے اس میں بھی آپ براہ راست شامل ہے۔

علاوہ ازیں صحابہ کرام ؓ کے بارے میں کامیابی، کامرانی اور رشد و ہدایت کا کھلا اعلان ہے جس کے باعث یہ تمام احکامات اور اعلانات آپ کی عظمت پر شاہد ہیں

آنحضرت ﷺ کی احادیث

۱۔ اما ترضی یا علی ان تکون منی بمنزلہ ھارون من موسی الا انہ لانبی بعدی

("بخاری شریف" ج ۱ ص ۵۲۶)

۲۔ من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ ؓ

۳۔ حضرت عمر فاروق ؓ کا قول ملاحظہ ہو:

عن عمر ؓ قال ما احد احق بھذا الا مر من ھولا النفر الذین توفی رسول اللہ ﷺ وھو راضی فسمی علیا ؓ وعثمان ؓ و لزبیر ؓ و طلحہ ؓ و سعد ؓ و عبدالرحمن ؓ

ترجمہ: "حضرت عمر ؓ نے فرمایا علی ؓ، عثمان ؓ، زبیر ؓ، طلحہ ؓ، سعد ؓ، عبدالرحمٰن ؓ سے بہتر کوئی شخص نہیں کیونکہ یہ وہ افراد ہیں جن سے نبی ﷺ راضی ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے"۔

فضائل علی ؓ کا مختصر خاکہ

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ماں اور باپ دونوں طرف سے حضور ﷺ کے رشتہ دار ہیں۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد تھے۔ آنحضرت ﷺ کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجہ تھیں۔

۳۔ ہجرت کی شب آپ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے بستر مبارک پر آرام فرما ہوئے۔

۴۔ آپ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

۵۔ آپ کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"علی رضی اللہ عنہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں"۔

۶۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آخری وقت میں آنحضرت ﷺ کی تیمارداری کے فرائض انجام دیے۔

۷۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔

۸۔ آنحضرت ﷺ کی خلافت راشدہ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔

۹۔ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ آپ غسل نبوی کی سعادت میں شریک ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا

اے علی رضی اللہ عنہ میری امت میں تیری مثال عیسیٰ بن مریم کی ہے جس کے ساتھ یہودیوں نے دشمنی میں غلو کیا اور عیسائیوں نے محبت میں غلو کیا لیکن صرف مسلمانوں نے ان سے خدا کی طرف سے بیان کردہ فضیلت کے مطابق پہچانا۔ تیری وجہ سے دو گروہ گمراہ ہوں گے لیکن جو میرے طریقے پر ہو گا وہی حق پر ہو گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت ساڑھے پانچ سال تک ۲۲ لاکھ مربع میل کے وسیع و عریض خطے تک محیط رہا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمانوں کے مابین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لیے جنگ جمل اور جنگ صفین کے روح فرسا واقعات پیش آئے۔ تاہم حکومت و خلافت مصطفوی کی اصلی روح' عدل اجتماعی اور مساوات حقیقی' خلیفہ چہارم رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں مصطفوی شریعت اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے منہاج پر قائم رہی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے خلافت اسلامیہ کے باب میں جس درخشندہ عہد کو فروغ دیا وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مشابہت اور مطابقت رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے باہمی اختلاف اور قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کی چیرہ دستیوں نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے گرد گھومنے والے ایک طبقے سے بیزار کر دیا تھا۔

حضرت اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت کے اصول و ضوابط کو سمجھنے کے لیے گورنر مصر کے نام لکھے جانے والے ایک خط پر غور کرنا ضروری ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ارسال کیا جانے والا یہ خط ایک طرف حکومتی اصولوں کا شاہکار ہے دوسری طرف خلافت راشدہ کے زریں عہد کا آئینہ دار ہے۔ یہ خط حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نظام سلطنت کا روشن آئینہ ہے۔

یہ ہے وہ وصیت جس کو اللہ کے بندے علی امیرالمومنین نے مالک اشتر کو جب اسے مصر کا گورنر بنایا' روانہ کیا تاکہ ملک کا خراج جمع کرے' اس کے

دشمنوں سے لڑے' اس کے باشندوں کے فلاح و بہبود کا خیال رکھے' مالک کے تقویٰ اور اطاعت خداوندی کو مقدم رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ آدمی کی سعادت' خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض و سنن کی بجا آوری میں ہے۔ اس سے انکار بدبختی ہے۔

رعایا میں دو قسم کے دو آدمی ہوں گے۔ تمہارے دینی بھائی یا مخلوق خدا ہونے کے لحاظ سے تمہارے جیسے آدمی' لوگوں سے غلطیاں تو ہوتی ہی ہیں' جان بوجھ کے یا بھولے چوکے سے ٹھوکریں کھاتے ہی رہتے ہیں۔ تم اپنے عفو کا دامن خطاکاروں کے لیے اسی طرح پھیلا دینا' جس طرح تمہاری آرزو ہے کہ خدا تمہاری خطاؤں کے لیے اپنا دامن عفو و کرم پھیلا دے' کبھی نہ بھولنا کہ تم رعایا کے افسر ہو' خلیفہ تمہارا افسر ہے اور خدا خلیفہ کے اوپر حاکم ہے۔ خلیفہ نے تمہیں گورنر بنایا ہے اور مصر کی ترقی و اصلاح کی ذمہ داری تمہیں سونپ دی ہے۔ خدا سے لڑائی نہ مول لینا کیونکہ آدمی کے لیے خدا سے کوئی بچاؤ نہیں۔ خدا کے عفو و رحمت سے کبھی بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے' عفو پر کبھی نادم نہ ہونا' سزا دینے پر کبھی شیخی نہ بگھارنا' غصہ آتے ہی دوڑ نہ پڑنا بلکہ جہاں تک ممکن ہو غصے سے بچنا اور غصے کو پی جانا۔

خبردار! رعایا سے کبھی نہ کہنا کہ میں تمہارا حاکم بنا دیا گیا ہوں اور اب میں ہی سب کچھ ہوں۔ سب کو میری تابعداری کرنی چاہیے۔ اس ذہنیت سے دل میں فساد پیدا ہوتا ہے' دین میں کمزوری آتی ہے اور بربادی کے لیے بلاوا آتا ہے۔

وزراء اور مشیروں کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بدترین وزیر وہ ہے جو شریروں کی طرف داری کرے اور گناہوں میں ان کا ساجھی ہو۔ ایسے آدمی کو اپنا وزیر نہ بنانا' کیونکہ اس قسم کے لوگ

گنہگاروں کے مددگار اور ظالموں کے ساتھی ہوتے ہیں' ان کی جگہ تمہیں ایسے آدمی مدد دیں گے جو عقل و تدبیر میں ان کے برابر ہوں گے مگر گناہوں سے ان کی طرح برے نہ ہوں گے۔ نہ کسی ظالم کی اس کے ظلم میں مدد کی ہوگی نہ کسی گنہگار کا اس کے گناہ میں ساتھ دیا ہوگا۔ یہ لوگ تمہیں کم تکلیف دیں گے' تمہارے بہترین مددگار ثابت ہوں گے' تم سے پوری ہمدردی رکھیں گے اور گناہ سے اپنے سب رشتے کاٹ دیں گے۔ ایسے ہی لوگوں کو تم صحبتوں اور عام درباروں میں اپنا مصاحب بنانا۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ خاص الخاص لوگوں میں بھی وہی تمہاری نگاہوں میں سب سے زیادہ مقبول ہوں جو زیادہ سے زیادہ کڑوی بات تم سے کہہ سکتے ہوں اور ان کاموں میں تمہارا ساتھ دینے سے انکار کر سکتے ہوں جو خدا اپنے بندوں کے لیے ناپسند فرما چکا ہے۔ اہل تقویٰ و صدق کو اپنا مصاحب بنانا۔ انہیں ایسی تربیت دینا کہ تمہاری جھوٹی تعریف کبھی نہ کریں کیونکہ تعریف کی بھرمار سے آدمی میں غرور پیدا ہوتا ہے اور تمہارے سامنے نیکوکار اور خطاکار برابر نہ ہوں۔ ایسے کرنے سے نیکوں کی ہمت پست ہو جائے گی اور خطاکار اور بھی شوخ ہو جائیں گے۔ ہر آدمی کو وہ جگہ دینا جس کا وہ اپنے عمل کے لحاظ سے مستحق ہے اور تمہیں جاننا چاہیے کہ رعایا میں اپنے حاکم کے ساتھ حسن ظن اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ حاکم رعایا پر رحم و کرم کی بارش کرتا رہے۔ اس کی تکلیفیں دور کرے اور کوئی ایسا مطالبہ نہ کرے جو اس کے بس سے باہر ہو۔ یہ اصول تمہارے لیے کافی ہیں' اس سے رعایا کا حسن ظن تمہیں بہت سی مشکلوں سے نجات دے گا۔

خود تمہارے حسن ظن کے سب سے زیادہ مستحق وہ ہوں جو تمہارے امتحان میں سب سے اچھے اتریں۔ اسی طرح تمہارے سوء ظن کے بھی سب سے زیادہ مستحق وہی ہوں جو آزمائش میں سب سے برے نکلیں۔

CamScanner

فوج کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہدایات

اپنی فوج کے معاملے میں ہوشیاری سے کام لینا' انہی لوگوں کو افسر بنانا جو تمہارے خیال میں اللہ و رسول ﷺ کے اور تمہارے امام کے سب سے زیادہ خیر خواہ ہوں' صاف دل ہوں' ہوشمند ہوں' جلد غصے میں نہ آجاتے ہوں' عذر معذرت قبول کر لیتے ہوں' کمزوروں پر ترس کھاتے ہوں' زبردستوں پر سخت ہوں نہ سختی انہیں جوش میں لے آتی ہو نہ کمزوری انہیں بٹھا دیتی ہو۔

مشتبہ معاملات پیش آئیں اور تمہاری بصیرت و علم کام نہ دے تو انہیں اللہ کی طرف اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف لوٹانا کیونکہ خدا مسلمانوں کی ہدایت کے لیے فرماتا ہے:

یا ایھا الذین امنوا اطیعو اللہ و اطیعو الرسول واولی الامر منکم۔ الخ

اللہ کی طرف معاملے کو لوٹانا یہ ہے کہ کتاب محکم اور نص صریح کی طرف لوٹا جائے اور رسول ﷺ کی طرف لوٹانا یہ ہے کہ جامع سنت نبوی کو لیا جائے نہ کہ اسے جس میں اختلاف پڑ گیا ہے۔

پھر ملک میں انصاف قائم کرنے کے لیے ایسے لوگوں کا انتخاب کرنا جو تمہاری نظر میں سب سے افضل ہوں۔ ہجوم معاملات سے تنگ دل نہ ہوتے ہوں' اپنی غلطی پر اڑے رہنا ہی ٹھیک نہ سمجھتے ہوں اور حق کے ظاہر ہو جانے پر باطل ہی سے چپٹے نہ رہتے ہوں' طماع نہ ہوں' اپنے فیصلوں پر غور کرنے کے عادی ہوں' فیصلے کے وقت شکوک و شبہات پر رکنے والے ہوں' صرف دلائل کو اہمیت دیتے ہوں' مدعی اور مدعا علیہ سے بحث میں اکتا نہ جاتے ہوں' واقعات کی تہہ تک پہنچنے سے جی نہ چراتے ہوں اور حقیقت کھل جانے پر اپنے فیصلے میں بے باک اور بے لاگ ہوں۔ یہ ایسے لوگ ہوں جنہیں نہ

تعریف بے خود گرویدہ ہونہ چاپلوسی مائل کر سکتی ہو مگر ایسے لوگ کم ہوتے ہیں۔

تمہارا فرض ہے کہ قاضیوں کے فیصلوں کی جانچ کرتے رہو۔ اپنے دربار میں انھیں ایسا درجہ دو کہ تمہارے کسی مصاحب اور درباری کو ان پر دباؤ ڈالنے یا انہیں نقصان پہنچانے کی ہمت نہ ہو سکے۔ قاضیوں کو ہر قسم کے خوف سے بالکل آزاد ہونا چاہیے۔

گورنروں کے نام خط میں آپ نے یہ بھی فرمایا:

"عمال حکومت کے معاملات پر بھی تمہیں نظر رکھنا ہو گی، اخراجات کی جانچ پڑتال کرنا ہو گی، رورعایت سے یا صلاح مشورے کے بغیر کسی کو عہدہ نہ دینا کیونکہ ایسا کرنے سے ظلم و خیانت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اچھے گھرانوں اور سابقین اسلام کے خدمت گزاروں میں تجربہ کار اور باحیا لوگوں ہی کو منتخب کرنا کہ ان کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں۔ اپنی آبرو کا خیال رکھتے ہیں، طمع کی طرف کم جھکتے ہیں اور انجام پر زیادہ نظر رکھتے ہیں۔ عہدے داروں کو بہت اچھی تنخواہیں دینا، اس سے یہ لوگ اپنی حالت درست کر سکیں گے اور حکومت کے اس مال سے بے نیاز رہیں گے جو ان کے ہاتھ میں ہو گا۔ اس پر بھی حکم عدولی کریں یا امانت میں خلل ڈالیں تو تمہارے پاس ان پر حجت ہو گی مگر ضروری ہے کہ ان کاموں کی جانچ پڑتال کرتے رہنا، نیک لوگوں کو مخبر بنا کر ان پر چھوڑ دینا۔ یہ اس لیے کہ جب انھیں معلوم ہو گا کہ خفیہ نگرانی بھی ہو رہی ہے تو امانت داری اور رعایا سے مہربانی میں اور زیادہ چست ہو جائیں پھر اگر ان میں سے کوئی شخص خیانت کی طرف ہاتھ بڑھائے اور تمہارے جاسوسوں سے تصدیق ہو جائے تو بس یہ شہادت کافی ہے۔

تم بھی سزا کا ہاتھ بڑھانا' جسمانی اذیت کے ساتھ خیانت کی رقم بھی اگلوا لینا' خائن کو ذلت کی جگہ کھڑا کرنا اور پوری طرح اسے رسوا کر ڈالنا"۔

("از کتاب علی ابن ابی طالب" ص ۱۷۳)

حضرت علی المرتضیٰ ؓ کا تاریخ ساز خط بلاشبہ حکومت و امارت اور خلافت و سلطنت کے باب میں عظیم الشان شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔

عہد حاضر کے حکمران اگر حضرت علی ؓ کی ان ہدایات کی پاسداری کر لیں تو ان کی حکومتیں صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی اور عوامی حکومتیں بن سکتی ہیں۔

حضرت علی ؓ کی شہادت

خوارج نے حضرت معاویہ ؓ' حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ اور حضرت علی ؓ کے قتل کا منصوبہ بنایا اور ایک ہی دن ایک ہی وقت مقرر کیا۔ منصوبہ سازوں نے حضرت علی ؓ کے قتل کا ذمہ عبدالرحمن ابن ملجم پر ڈالا۔ اس بدبخت نے رمضان کے مبارک مہینے میں ۲۱ رمضان المبارک صبح فجر کے وقت امیرالمومنین اسد اللہ' حیدر کرار' سلسلہ تصوف کے امام' داماد نبی ﷺ حضرت علی ؓ کو کوفہ کی مسجد میں نماز کے لیے جاتے ہوئے شہید کر ڈالا اور اپنے دو پیش رووں حضرت عمر ؓ اور حضرت عثمان ؓ کی طرح اسلام کے یہ خلیفہ چہارم بھی جام شہادت نوش کر کے سرفرازی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو گئے اور فرمان ربانی کے مطابق حیات جاودانی کے حق دار ٹھہرے۔ حضرت علی ؓ کا طرز خلافت و زندگی ہر مسلمان کے لیے نمونہ ہے۔ خاص طور پر ان کے لیے جو محب علی ؓ و اہل بیت ہونے کے دعویدار ہیں۔ اگر آج بھی وہ لوگ خلیفہ چہارم کی

تعلیمات اور زندگی کے طابق عمل کرتے ہوئے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم و اصحاب رسول رضی اللہ عنہم ﷺ کی بجائے اطاعت ثلاثہ رضی اللہ عنہم و محبت اصحاب رسول رضی اللہ عنہم ﷺ کا اصول اپنالیں اور جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی عزت و احترام کے قائل تھے اور ان کی اتباع کرتے تھے اور انھیں نبی آخرالزماں ﷺ کے حقیقی اور سچے جانشین خیال کرتے تھے۔ یہ طبقہ بھی اسی طرح ان کو اپنی عقیدت کا مرکز و محور بنالے تو امت مسلمہ میں شامل ہو کر اپنی دنیا اور آخرت سنوار سکتا ہے۔

خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دلنشیں اقوال مبارک

- ☆ خندہ روئی سے پیش آنا سب سے پہلی نیکی ہے۔
- ☆ عقیدہ میں شک رکھنا شرک کے برابر ہے۔
- ☆ ادب بہترین کمالات اور خیرات افضل ترین عبادات سے ہے۔
- ☆ موت ایک بے خبر ساتھی ہے۔
- ☆ عادت پر غالب آنا کمال فضیلت ہے۔
- ☆ دوستی ایک خود پیدا کردہ رشتہ ہے
- ☆ گناہوں پر نادم ہونا ان کو مٹا دیتا ہے اور نیکیوں پر مغرور ہونا ان کو برباد کر دیتا ہے۔
- ☆ فاسق کی برائی بیان کرنا غیبت نہیں۔
- ☆ آدمی کی قابلیت زبان کے نیچے پوشیدہ ہے۔
- ☆ معافی نہایت اچھا انتقام ہے۔
- ☆ سچائی میں اگرچہ خوف ہے مگر باعث نجات ہے اور جھوٹ میں گو اطمینان ہے مگر موجب ہلاکت ہے۔
- ☆ غریب وہ ہے جس کا کوئی دوست نہ ہو۔

☆ تجربے کبھی ختم نہیں ہوتے اور عقلمند وہ ہے جو ان میں ترقی کرتا رہے۔ جلدی سے معاف کرنا انتہائی شرافت اور انتقام میں جلدی کرنا انتہائی رذالت ہے۔

☆ علماء اس لیے غریب و بیکس ہیں کہ جاہل لوگ زیادہ ہیں جو ان کی قدر نہیں سمجھتے۔

☆ شریف کی پہچان یہ ہے کہ جب کوئی سختی کرے تو سختی سے پیش آتا اور جب اس سے کوئی نرمی کرے تو نرم ہو جاتا ہے اور کمینے سے جب کوئی نرمی کرے تو سختی سے پیش آتا اور جب کوئی سختی کرے تو ڈھیلا ہو جاتا ہے۔

☆ علم مال سے بہتر ہے کیونکہ علم تمہاری حفاظت کرتا اور تم مال کی حفاظت کرتے ہو۔

☆ آدمی اگر عاجز ہو اور نیک کام کرتا ہے' تو اس سے اچھا ہے کہ قوت رکھے اور برے کام نہ چھوڑے۔

☆ حرام کاموں سے نفس کو روکنا بھی صبر کی دوسری قسم ہے۔

☆ جو شخص اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اپنی جان بھی بھلا دیتا ہے۔

☆ بخیل دنیا میں فقیروں کی سی زندگی بسر کرے گا اور عاقبت میں امیروں کا سا حساب بھگتے گا۔

☆ ہمسایہ کی بدخواہی اور اقارب کے ساتھ برائی انتہائے شقاوت ہے۔

☆ تیرے مال میں سے تیرا حصہ تو صرف اتنا ہے جسے تو نے آخرت کے لیے پہلے بھیج دیا اور جسے تو نے دنیا میں چھوڑ دیا' وہ تیرے وارثوں کا ہے۔

☆ اگر تو کسی کے ساتھ احسان کرے تو اس کو مخفی رکھ اور جب تیرے ساتھ کوئی احسان کرے تو اس کو ظاہر کر۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ

مختصر سوانح و فضائل

ابتدائی تعارف

پیدائش:

حضرت سیدنا حسن بن علیؓ آنحضرت ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے بطن سے پہلے صاحبزادے تھے۔ آپ کی اس سے زیادہ کیا عظمت ہو سکتی ہے کہ ایک طرف آپؓ کی نسبی شرافت آنحضرتؐ سے قریب تر ہے' دوسری طرف آپ کی تربیت بھی آغوش رسالت میں ہوئی۔

مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت حسنؓ کی پیدائش ۱۵/ رمضان ۳ ہجری مطابق یکم اپریل ۶۲۵ء کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ حضرت علیؓ نے آپ کا نام حرب رکھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے تبدیل کر کے حسن رکھ دیا۔

حضرت حسنؓ کی ولادت پر آنحضرت ﷺ بہت مسرور ہوئے۔ آپ نے خود ان کے کان میں اذان دی' اپنا لعاب مبارک منہ میں ڈالا۔ پیدائش

کے ساتویں دن عقیقہ دیا، دو مینڈھے ذبح کرائے۔ نومولود کے سر کے بال اتروا کر ان کے برابر چاندی خیرات کی۔

آنحضرت ﷺ کی صحبت:

حضرت حسنؓ بچپن ہی سے براہ راست آپ کی نگرانی میں رہے۔ بچپن کے ابتدائی سات سال تک حضرت حسنؓ نے صحبت نبوت پائی۔ آنحضرت ﷺ کے حضرت حسن سے محبت و شفقت کے واقعات بخاری اور مسلم میں موجود ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے:

"آنحضرت ﷺ منبر پر رونق افروز تھے اور حسنؓ آپؐ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک مرتبہ لوگوں کی طرف دیکھتے تھے اور ایک مرتبہ حسن کی طرف۔ آپ نے فرمایا:

ان ابنی ھذا سید لعل اللہ ان یصلح بین فئتین عظیمتین من المسلمین ○)

ترجمہ: "یہ میرا بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا"۔

قارئین کرام ملاحظہ ہو کہ آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کس طرح حرف بحرف پوری ہوئی۔ جنگ صفین اور جنگ جمل کے بعد مسلمانوں میں قاتلین عثمانؓ کے بارے میں پیدا ہونے والا اختلاف کس قدر بڑھ گیا تھا۔ بالآخر مسلمانوں کی ان دو جماعتوں کے درمیان صلح و آشتی اور اتفاق و ارتباط کا سہرا حضرت حسنؓ کے سر آن پڑا۔ اس حدیث سے دونوں جماعتوں کا مسلمان ہونا بھی واضح ہوا۔ پھر صلح کی نوید ابھی آنحضرت ﷺ کی زبان حق ترجمان

سے ظاہر ہو گئی۔

حضرت حسنؓ کی حضرت معاویہؓ سے صلح اور محبت نے پیغمبر اسلام ﷺ کی بیان کردہ پیشین گوئی کو من و عن مکمل کر دیا۔ اس صلح سے اسلام کی عظمت اور دین مصطفوی کی سربلندی کا نیا باب کھل گیا۔

لقب:

حضرت حسنؓ، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے پہلے صاحبزادے ہیں۔ آپ کا لقب ریحانۃ النبی تھا۔ بعض کتابوں میں اس کے علاوہ سید، شبر، مجتبیٰ اور شبیہ رسول کو بھی آپ کے القاب میں شامل کیا گیا ہے۔

کنیت:

حضرت حسنؓ کی کنیت ابو محمد تھی۔ ایک روایت کے مطابق یہ کنیت آنحضرت ﷺ نے تجویز فرمائی تھی۔ حالانکہ بڑے ہو کر آپ نے کسی فرزند کا نام بھی محمد نہیں رکھا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

○۔ ان ابنی ھذا سید لعل اللہ ان یصلح بین فئتین عظیمتین من المسلمین ○

ترجمہ: "میرا یہ بیٹا (حسن) سردار ہے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بیٹے کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی عظیم المرتبت جماعتوں میں صلح کرائے گا"۔

○۔ ریحان الدنیا والاخرۃ الحسنؓ و

الحسینؓ

ترجمہ: "دنیا اور آخرت کے دو پھول حسن اور حسین ہیں"۔

○ الحسن والحسین سبط من الاسباط

ترجمہ: "حسن اور حسین (میری) اولاد کی اولاد ہے"۔

آنحضرت ﷺ کی محبت:

رسول اللہ ﷺ ان سے انتہائی محبت فرماتے تھے۔ جب یہ بچے تھے تو آنحضرت ﷺ کبھی ان کے رخسار و لب چومتے اور کبھی ان کی زبان اپنے دہان مبارک میں لے کر چوستے۔ کبھی گود میں کھلاتے، کبھی سینہ اور پیٹھ پر بٹھاتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپؐ سجدہ میں ہوتے اور یہ پشت مبارک پر سوار ہو جاتے اور آپ نہ صرف یہ کہ بیٹھنے دیتے بلکہ ان کی خاطر سجدہ کو اور طول دیتے۔ کبھی اپنے ساتھ منبر پر چڑھاتے۔

زہری حضرت انسؓ سے راوی ہیں کہ حسن بن علیؓ رسول اللہ ﷺ سے بہت ہی مشابہ تھے۔ ہانیؓ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حسنؓ کو مشابہت رسول حاصل تھی۔ سینہ سے سر تک اور حسین سینہ سے قدمہائے مبارک تک اپنے ناناؐ کے مشابہ تھے۔

حضرت علیؓ کے دل میں اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ کی بڑی عزت تھی۔ وہ ان سے احترام و توقیر کا معاملہ فرماتے۔ ایک روز فرمایا "کبھی تم تقریر کرتے تو میں بھی سنتا"۔ کہنے لگے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ آپ کے سامنے زبان کھولوں۔ ایک روز حضرت علیؓ ایسی جگہ جا کر بیٹھ گئے، جہاں حضرت حسنؓ کو نظر نہ آسکیں۔ حضرت حسنؓ نے لوگوں کے سامنے تقریر کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سن رہے تھے۔ جب وہ اپنی تقریر ختم کر کے چلے گئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ذریۃ بعضھا من بعض

والله سميع عليم ○ (یہ ایک ہی نسل تو ہے' جس میں ایک دوسرے کا فرزند ہے)

(سورۂ آل عمران' ۳۴)

وہ بہت کم بولتے اور اکثر خاموش رہتے۔ لیکن جب بات کرتے تو کوئی ان کے سامنے لب نہیں ہلا سکتا تھا۔ دعوتوں میں کم شرکت فرماتے' کسی لڑائی جھگڑے کے معاملہ میں نہ پڑتے۔ کسی کے معاملہ میں دخل اندازی نہ کرتے۔ جب ان سے رجوع کیا جاتا تو دلیل سے بات سمجھا دیتے۔

انہوں نے تین بار اللہ کی راہ میں اپنا مال نکال دیا۔ دو مرتبہ تو اس طرح دے دیا کہ ان کے پاس کچھ نہیں رہ گیا۔ پچیس بار پیدل حج کیے۔ قربانی کے جانور آپ کے آگے آگے چلائے جاتے۔ حضرت حسنؓ و حسینؓ میں سے کوئی گھوڑے پر سوار ہوتا اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی نظر پڑتی تو بڑھ کر رکاب تھام لیتے اور اس کو اپنے لیے شرف سمجھتے۔ ان دونوں میں کوئی طواف بیت اللہ کو نکلتا تو آپ کو سلام کرنے' مصافحہ کرنے کے لیے لوگ اس طرح پروانہ وار ٹوٹ کر گرتے کہ ڈر لگتا کہ کہیں ان کو صدمہ نہ پہنچے۔

حضرت حذیفہ سے مرفوعاً روایت ہے الحسن و الحسین سید اشباب اھل الجنہ یعنی حسن و حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہوں گے۔ اس حدیث کی اور سندیں بھی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی محبت کا ایک اور واقعہ:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ اپنے دوش مبارک پر حضرت حسن بن علیؓ کو لیے ہوئے جا رہے تھے تو ایک شخص نے دیکھ کر کہا نعم المرکب رکبت یا غلام صاحبزادے بڑی اچھی سواری پر بیٹھے ہو' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا و نعم

الراکب ھو اور سوار بھی بہترین ہے۔

حضرات حسنؓ و حسینؓ اسلام کے شہ سواروں میں ہوئے ہیں۔

نعیمؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو ہریرہؓ نے کہا کہ جب حسنؓ کو دیکھتا ہوں تو آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔ اس لیے کہ میں نے دیکھا کہ ایک روز دوڑتے ہوئے آئے اور آکر رسول اللہ ﷺ کی گود میں بیٹھ گئے۔ (حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے ہاتھ اپنی داڑھی پکڑ کر دکھایا کہ یہ) اس طرح ریش مبارک ہاتھ سے پکڑنے لگے اور رسول اللہ ﷺ اپنا دہن مبارک کھول کر ان کے منہ میں ڈالنے لگے اور فرماتے جا رہے تھے اللھم انی احبہ فاحبہ اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما' یہ بات آپ ﷺ نے تین بار فرمائی۔

سخاوت کا اہم واقعہ:

ابن عساکر نے کہا:

"حضرت حسنؓ کا واقعہ ہے کہ وہ ایک بار مدینہ منورہ کے کسی (چہار دیواری سے گھرے ہوئے) باغ کی طرف سے گزر رہے تھے تو ایک نو عمر حبشی غلام کو دیکھا کہ وہ بیٹھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک روٹی تھی اور اس کے سامنے کتا بیٹھا تھا۔ وہ لڑکا ایک لقمہ خود کھاتا اور ایک لقمہ کتے کو کھلاتا۔ اس طرح پوری روٹی تقسیم کر کے اس کو کھلا دی۔ حضرت حسنؓ نے پوچھا تم نے کیوں اپنی روٹی میں آدھے کا شریک کتے کو بنا لیا اور خود زیادہ حصہ نہیں لیا؟ کہنے لگا میری آنکھیں اس کی (یعنی کتے کی) آنکھیں دیکھ کر شرم محسوس کرتی تھیں کہ میں زیادہ کھا جاؤں۔ حضرت حسنؓ نے پوچھا تم کس کے غلام ہو؟ کہا میں ابان بن عثمان کا غلام ہوں۔ فرمایا اور یہ احاطہ

کس کا ہے؟ کہا ایمان کا۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ جب تک واپس نہ آجاؤں، تم یہیں بیٹھے رہنا، چنانچہ آپ گئے اور اس غلام کو خرید لیا اور احاطہ بھی خرید لیا اور غلام کے پاس آکر فرمایا میں نے تم کو خرید لیا۔ اس نے اٹھ کر کہا اللہ اور اس کے رسول ؐ اور ان کے بعد میں آپ کے احکام سننے والا اور فرمانبردار ہوں۔ پھر حضرت حسنؓ نے فرمایا تو میری طرف سے آزاد ہے اور یہ احاطہ تجھے ہبہ کر دیا۔

عہد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے تو قرابت رسول کی وجہ سے آپ بھی حضرت حسنؓ سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں ہے:

"ایک مرتبہ نماز عصر کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ دونوں مسجد نبوی سے اکٹھے باہر نکلے۔ راستہ میں حضرت حسنؓ کھیل رہے تھے۔ ابوبکر صدیقؓ نے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ ان کو اٹھا کر کندھے پر بٹھا لیا اور فرمایا:

واللہ ھذا اشبہ النبی ولیس بعلی

ترجمہ: "خدا کی قسم! یہ نبی کے مشابہ ہیں اور علی کے مشابہ نہیں"۔

یہ سن کر حضرت علیؓ مسکرانے لگے۔

حضرت ابوبکرؓ کے سوا دو سالہ دور حکومت نے خاندان نبوت کے ساتھ آپ کے تعلقات نہایت مشفقانہ رہے۔

CamScanner

چھ ماہ بعد حضرت فاطمہؓ بیمار ہوئیں تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیوی اسماء بنت عمیس ہی کئی روز تک تیمار داری کے فرائض سرانجام دیتی رہیں۔ سیدہؓ کی وفات کے بعد غسل اور تجہیز و تکفین بھی حضرت اسماء نے سرانجام دیے۔ (از رحماء بینھم)

حضرت فاطمہؓ الزہرا کا جنازہ بھی صحیح روایت کے مطابق حضرت ابو بکر صدیقؓ ہی نے پڑھایا۔ ان مختصر واقعات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ تو کیا پورے خاندان نبوت سے حضرت ابو بکرؓ کے تعلقات نہایت خوشگوار رہے۔

بعض لوگوں نے خاندان نبوت اور صحابہ کرامؓ کے درمیان تعلقات کی کشیدگی کے بارے میں جو من گھڑت باتیں تحریر کی ہیں' ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

عہد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ:

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ مسند نشین خلافت ہوئے تو انہوں نے بھی حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے ساتھ ایسا ہی محبت آمیز برتاؤ رکھا۔ انہوں نے بیت المال قائم کیا اور مسلمانوں کے علی قدر مراتب سالانہ وظائف مقرر کیے تو حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے وظیفے اصحاب بدر کے وظیفوں کے برابر مقرر کیے۔ (پانچ ہزار درہم سالانہ) خود امیر المومنینؓ اور حضرت علیؓ کا بھی اتنا ہی وظیفہ تھا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فاروق اعظمؓ کے نزدیک حسنینؓ کی کیا قدر و منزلت تھی۔

عہد عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ:

سیدنا حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ کے دور خلافت کا آغاز ہوا تو حضرت

حسنؓ پورے جوان ہو چکے تھے۔ شیخینؓ کی طرح حضرت عثمان ذوالنورینؓ کا سلوک بھی حضرت حسنؓ کے ساتھ نہایت مشفقانہ اور محبت آمیز تھا۔ ۳۰/۲۹ ہجری میں حضرت عثمانؓ کے حکم سے حضرت سعیدؓ بن العاص نے طبرستان پر لشکر کشی کی تو حضرت حسنؓ بھی دوسرے نوجوانان قریش کے ساتھ اسلامی لشکر میں شریک ہو گئے اور کئی معرکوں میں داد شجاعت دی۔

حضرت عثمانؓ کے دروازے پر پہرے دار کی حیثیت سے:

سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت کے آخر میں شورش برپا ہوئی اور باغیوں نے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کو کاشانہ خلافت کی حفاظت کے لیے متعین کر دیا۔ کچھ اور جوانان قریش بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت حسنؓ مدافعت کرتے ہوئے زخمی ہو گئے۔ تاہم انہوں نے کسی باغی کو کاشانہ خلافت میں داخل نہ ہونے دیا۔ بالآخر باغی دوسری طرف سے دیوار پھاند کر اندر گھس گئے اور امیر المومنین حضرت عثمانؓ کو اس حالت میں شہید کر دیا، جب وہ قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ کو شہادت کی خبر ہوئی تو انہوں نے جوش و غضب میں حضرت حسنؓ کو تھپڑ مارا کہ تم نے کیسی حفاظت کی کہ باغیوں نے اندر گھس کر عثمانؓ کو شہید کر ڈالا۔ جب انہوں نے صورت حال کی وضاحت کی اور اپنے زخم دکھائے تو حضرت علیؓ کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے نے حضرت علیؓ سے قبول خلافت کے لیے اصرار کیا۔ اس موقع پر حضرت حسنؓ نے والد بزرگوار کو مشورہ دیا کہ جب تک تمام ممالک اسلامیہ کے لوگ آپ سے مسند نشین خلافت ہونے کی درخواست نہ کریں، آپ کسی امر خلافت پر بیعت نہ لیجئے۔ لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کہ خلیفہ کا انتخاب مہاجرین اور

انصار کا حق ہے۔ جب وہ کسی کو خلیفہ تسلیم کر لیں تو دوسرے تمام مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ بیعت کے لیے تمام دنیا کے مسلمانوں کے مشورہ کی شرط نہیں۔ چنانچہ انہوں نے خلافت قبول کر لی۔

حضرت علیؓ کے مسند نشین خلافت ہونے کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اصلاح کا علم بلند کیا اور حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلہ لینے کا مطالبہ کیا۔ اسی سلسلے میں جنگ جمل پیش آئی۔ جنگ سے پہلے حضرت حسنؓ اور حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کوفہ گئے اور وہاں کے لوگوں کو اپنی حمایت پر ابھارا۔ ان کی مساعی کے نتیجہ میں تقریباً دس ہزار اہل کوفہ حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہوئے۔ جمل کے بعد ۳۷ھ میں جنگ صفین پیش آئی۔ اس میں بھی حضرت حسنؓ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے۔ التوائے جنگ کے لیے امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جو معاہدہ ہوا' حضرت حسنؓ نے ایک گواہ کی حیثیت سے اس پر دستخط کیے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد:

رمضان ۴۰ ہجری میں ایک خارجی ابن ملجم نے حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ زخمی ہونے کے بعد وہ تین دن زندہ رہے۔ اس اثناء میں ان سے حضرت حسنؓ کی جانشینی کے بارے میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"نہ میں حکم دیتا ہوں نہ روکتا ہوں"۔

تیسرے دن حضرت علیؓ واصل بحق ہو گئے۔ ان کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد کوفے کی مسجد جامع میں حضرت حسنؓ کے لیے بیعت خلافت ہوئی۔ بعض روایتوں کے مطابق بیس ہزار سے زیادہ لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت امیر معاویہؓ والی شام نے ان کی خلافت کو تسلیم نہ کیا اور عراق کی طرف فوجی پیش قدمی شروع کر دی۔ ان کے مقدمۃ الجیش کے افسر

حضرات عبداللہ ؓ بن عامر انبار سے ہوتے ہوئے مدائن کی طرف بڑھے۔ حضرت حسن ؓ اس وقت کوفہ میں تھے۔ انہیں عبداللہ ؓ بن عامر کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو وہ بھی اہل عراق کو ساتھ لے کر مقابلہ کے لیے مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ ساباط پہنچ کر انہوں نے اپنی فوج میں کمزوری اور جنگ سے پہلو تہی کے آثار دیکھے تو اس کے سامنے ایک خطبہ دیا' جس میں فرمایا:

حضرت حسن ؓ کا خطبہ:

"لوگو! میں کسی مسلمان کے خلاف اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تمہارے لیے بھی وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ تمہارے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں۔ امید ہے تم اسے رد نہ کرو گے۔ جس اتحاد و یگانگت کو تم ناپسند کرتے ہو' وہ اس تشتت و افتراق سے بہتر ہے' جو تم کو پسند ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ سے گریز کرنا چاہتے ہیں۔ تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف لڑنے پر مجبور نہیں کرنا چاہتا"۔

حضرت حسن ؓ کی تقریر سن کر وہ لوگ جو امیر معاویہ ؓ کے شدید مخالف تھے اور ان سے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے' برہم ہو گئے۔ انہوں نے سیدنا حسن ؓ کی تحقیر کی اور انہیں گھیر لیا۔ ربیعہ اور ہمدان کے قبیلوں نے ان لوگوں کو پیچھے ہٹایا اور حضرت حسن ؓ گھوڑے پر سوار ہو کر مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک خارجی جراح بن قبیصہ نے گھات لگا کر ان پر حملہ کیا اور زانوئے مبارک زخمی کر دیا۔ عبداللہ بن خطل اور عبداللہ بن ظبیان نے جراح بن قبیصہ کو پکڑ کر قتل کر ڈالا اور حضرت حسن ؓ نے مدائن پہنچ کر قصر ابیض میں قیام کیا۔ جب زخم مندمل ہو گیا تو وہ پھر عبداللہ ؓ بن عامر کے مقابلہ کے لیے مدائن سے نکلے۔ اس اثناء میں امیر معاویہ ؓ بھی ایک فوج گراں

کے ساتھ انبار پہنچ گئے۔

حضرت معاویہؓ کے ساتھ صلح کے لیے حضرت حسنؓ کا طرز عمل:

حضرت عبداللہؓ بن عامر نے حضرت حسنؓ کو پیغام بھیجا' جس میں ان کو قسم دے کر جنگ ملتوی کرنے کے لیے کہا۔ حضرت حسنؓ کے ساتھیوں نے بھی انہیں یہی مشورہ دیا۔ اس پر حضرت حسنؓ پھر مدائن لوٹ گئے۔ عبداللہؓ بن عامر نے فوراً مدائن کے گرد اپنی فوج پھیلا دی۔ حضرت حسنؓ پہلے ہی اپنے ساتھیوں کی کمزوری اور بزدلی سے دل برداشتہ تھے۔ انہوں نے جنگ کا خیال ترک کر دیا اور چند شرائط پر امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست برداری کا فیصلہ کیا۔ یہ شرائط انہوں نے عبداللہؓ بن عامر کی وساطت سے امیر معاویہؓ کو بھجوا دیں۔

(الاخبار الطوال' ابو حنیفہ دینوری)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ابن سعدؒ کے حوالے سے "الاصابہ" میں بیان کیا ہے کہ حضرت حسنؓ نے عمرو بن سلمۃ الارحبی کو صلح کی غرض سے امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا۔ امیر معاویہؓ نے حضرت عبداللہؓ بن عامر اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ کو حضرت حسنؓ کے پاس بھیجا۔ ان دونوں نے حضرت حسنؓ کی شرائط مان لیں۔ اس طرح فریقین میں صلح ہو گئی۔ پھر حضرت امیر معاویہؓ اور سیدنا حضرت حسنؓ ساتھ ساتھ کوفے میں داخل ہوئے۔

صحیح بخاری میں یہ واقعہ کسی قدر مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

"حضرت حسنؓ کی فوج پہاڑوں کے مانند امیر معاویہؓ کے لشکر کی طرف بڑھی تو حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت معاویہؓ سے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ ایسا لشکر ہے جو اس وقت تک پیٹھ نہ پھیرے

گا جب تک اپنے اقران کو قتل نہ کرے گا۔ حضرت معاویہؓ نے کہا اگر یہ لوگ انہیں اور وہ انہیں قتل کر دیں تو میری طرف سے لوگوں کے معاملات کا نیز ان کی عورتوں اور بچوں کا ذمہ دار کون ہو گا؟"

اس وقت انہوں نے عبداللہؓ بن عامر اور عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ کو حضرت حسنؓ سے گفت و شنید کے لیے بھیجا۔

صلح کی شرائط:

ابو حنیفہ دینوری نے "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ حضرت حسنؓ ان شرائط پر امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے:

۱۔ سب لوگوں کو بلا استثنا امان دی جائے گی اور کوئی عراقی شخص بغض و کینہ کی بنا پر نہ پکڑا جائے گا۔

۲۔ صوبہ اہواز کا کل خراج حضرت حسنؓ کے لیے مخصوص ہو گا اور حضرت حسینؓ کو دو لاکھ درہم سالانہ الگ دیے جائیں گے۔

۳۔ صلات اور عطیات میں بنو ہاشم کو بنو امیہ پر ترجیح دی جائے گی۔

حضرت حسنؓ نے یہ شرطیں لکھ کر حضرت عبداللہؓ بن عامر کو دیں۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے پاس بھیج دیں۔ امیر معاویہؓ نے تمام شرطوں کی منظوری کا خط لکھ کر اپنی مہر لگائی اور معززین و عمائد کی شہادتیں لکھوا کر کاغذ حضرت حسنؓ کے پاس واپس بھیج دیا۔ اس طرح ملت اسلامیہ کے سر سے ایک بہت بڑا خطرہ ٹل گیا اور تمام مسلمان ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کے بجائے امیر معاویہؓ کی خلافت پر متفق ہو گئے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ سیدنا حضرت حسنؓ نے کوفہ کی جامع مسجد میں مجمع عام کے سامنے اپنی دست برداری کا اعلان ان الفاظ میں کیا:

"لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اگلوں کے ذریعے سے تم کو ہدایت دی اور پچھلوں کے ذریعے تمہاری خونریزی بند کرائی۔ دانائیوں میں بہترین دانائی تقویٰ اور عجز میں سب سے بڑا عجز فجور (بداعمالی) ہے اور یہ امر (خلافت) جو ہمارے اور معاویہؓ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے' یا تو وہ اس کے مجھ سے زیادہ حقدار ہیں یا یہ میرا حق ہے جس میں اللہ عزوجل کی خوشنودی امت محمدیہ کی اصلاح اور تم لوگوں کو خونریزی سے بچانے کی خاطر دستبردار ہوتا ہوں"۔

آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہو گئی:

اس کے بعد سیدنا حضرت حسنؓ اپنے اہل و عیال کو لے کر مدینہ منورہ چلے گئے۔ اس طرح سرور عالم ﷺ کی یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی "میرا یہ بیٹا سید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا"۔

سیدنا حضرت حسنؓ کی خلافت کے بارے میں روایتوں میں اختلاف ہے۔ بعض روایتوں میں چار ماہ اور بعض میں آٹھ ماہ سے کچھ اوپر بتائی گئی ہے۔ دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق صحیح یہ ہے کہ ان کا زمانہ خلافت ۲۰ رمضان ۴۰ھ سے ۱۵ جمادی الاول ۴۱ھ تک ہے۔ گویا وہ سات ماہ ۲۶ دن تک مسند نشین خلافت رہے۔

حضرت حسنؓ حضرت معاویہؓ کی اطاعت پر تاحیات قائم رہے:

دستبرداری کے بعد سیدنا حضرت حسنؓ نے اپنی وفات تک کسی سیاسی سرگرمی میں حصہ نہیں لیا اور نہایت خاموشی سے اپنے نانا ﷺ کے جوار میں زندگی گزاری۔ ان کے وقت کا بیشتر حصہ عبادت الٰہی میں گزرتا تھا۔ ایک

دفعہ حضرت معاویہؓ نے مدینہ منورہ کے کسی شخص سے حضرت حسنؓ کے حالات دریافت کیے تو اس نے کہا:

"فجر کی نماز سے طلوع آفتاب تک مصلی پر رہتے ہیں، پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور ملاقات کے لیے آنے والوں سے ملتے ہیں۔ دن چڑھے چاشت کی نماز ادا کر کے امہات المومنینؓ کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوتے ہیں"۔ (ابن عساکر)

مکہ معظمہ میں ہوتے تو عصر کی نماز بالالتزام حرم پاک میں ادا کرتے اور پھر طواف میں مشغول ہو جاتے۔

فکر معاش کی طرف سے بے نیاز تھے۔ کیونکہ اہواز کا سالانہ خراج آپ کے لیے مخصوص تھا۔ امام شعبیؒ کا بیان ہے کہ اس خراج کی رقم دس لاکھ سالانہ تھی۔ اس کثیر آمدنی کو وہ بے دریغ راہ خدا میں لٹاتے رہتے تھے۔ ابن اثیرؒ کا بیان تھا کہ انہوں نے دو مرتبہ اپنا تمام مال اسباب اور تین مرتبہ کل مال اسباب کا نصف راہ خدا میں بانٹ دیا۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی سائل ان کے در سے خالی ہاتھ چلا جائے۔ حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرنا ان کے نزدیک عبادت کا درجہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ طواف میں مشغول تھے کہ کسی شخص نے اپنی ضرورت کے لیے ساتھ لے جانا چاہا۔ طواف چھوڑ کر اس کے ساتھ ہو گئے اور واپس جا کر طواف پورا کیا۔ ایک مرتبہ اعتکاف میں تھے کہ کوئی سائل آ گیا۔ اس کے ساتھ ہو گئے۔ انہوں نے اعتکاف کے دائرے سے نکل کر اس کی ضرورت پوری کی اور پھر اعتکاف میں بیٹھ گئے۔

حضرت حسنؓ کی وفات:

سیدنا حضرت حسنؓ نے باختلاف روایت ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں اپنی والدہ ماجدہ حضرت فاطمۃ الزہرہ کے پہلو میں دفن

ہوئے۔

اکثر ارباب سیر نے لکھا ہے کہ سیدنا حضرت حسنؓ کی وفات زہر سے ہوئی' جو ان کی ایک بیوی جعدہ بنت اشعث نے (کسی وجہ سے) دیا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ اور المسعودی کا بیان ہے کہ حضرت حسنؓ کو کئی بار زہر دیا گیا لیکن جو زہر آخری بار دیا گیا' وہی فیصلہ کن ثابت ہوا۔ بعض روایتوں کے مطابق زہر کھانے کے تیسرے دن اور بعض کے مطابق چالیس دن علیل رہنے کے بعد وفات پائی۔ حافظ ابن حجرؒ اور ابو حنیفہ دینوری نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت حسنؓ کی موت زہر سے نہیں بلکہ کسی اور علالت سے ہوئی

(الاصابہ...... الاخبار الطوال)

سیدنا حضرت حسنؓ کی رحلت کی خبر پھیلی تو ہر طرف کہرام برپا ہو گیا۔ مدینہ منورہ کے بازار بند ہو گئے اور ہر شخص فرط غم سے نڈھال ہو گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ مسجد نبوی میں رو کر کہتے تھے کہ لوگو آج خوب رو لو کہ رسول اللہ ﷺ کا محبوب دنیا سے اٹھ گیا۔

جنازہ میں اس قدر ہجوم تھا کہ اس سے پہلے مدینہ منورہ میں بہت کم دیکھنے میں آیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق جنازہ میں لوگوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ اگر سوئی بھی پھینکی جاتی تو زمین پر نہ گرتی۔

سیدنا حضرت حسنؓ نے اپنی زندگی میں بہت سے نکاح کیے۔ مختلف بیویوں سے آٹھ لڑکے پیدا ہوئے' جن کے نام یہ ہیں:

الحسن' زید' عمر' قاسم' ابوبکر' عبدالرحمٰن' طلحہ' عبیداللہ۔

حضرت حسنؓ کے صفات و کمالات:

سیدنا حضرت حسنؓ جس خانوادے میں پلے بڑھے' وہ علم و فضل کا

سرچشمہ تھا۔ اس لیے فضل و کمال کے لحاظ سے وہ بھی نہایت بلند مقام پر فائز ہو گئے۔ ان کا شمار مدینہ منورہ کے ان اصحاب میں ہوتا تھا جو علم و افتاء کے منصب پر فائز تھے۔ ان کے چند فتاویٰ بھی کتابوں میں موجود ہیں۔

سیدنا حضرت حسن عہد نبوی میں کمسن تھے۔ تاہم روایت حدیث سے ان کا دامن خالی نہیں رہا۔ ان سے تیرہ احادیث مروی ہیں۔ دینی علوم کے علاوہ وہ اس زمانہ کے مروجہ فنون میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ مختلف روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اونچے درجے کے خطیب تھے۔ اور شعرو شاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔

شکل و شمائل میں سیدنا حضرت حسنؓ رسول اکرم ﷺ سے مشابہ تھے۔ سیرت بھی نہایت پاکیزہ تھی۔ ان کے گلشن اخلاق میں زہد و استغنا' علم و تحمل' جود و سخا' خوش خلقی' امن پسندی' صلح جوئی' نرم خوئی اور خیر خواہی امت نہایت خوش رنگ پھول ہیں۔

حضرت حسن کے تاریخی اقوال:

دوسرے فضائل اخلاق کے ساتھ نہایت عاقل و دانا بھی تھے۔ اہل سیر نے ان کے بہت سے حکیمانہ اقوال نقل کیے ہیں' جن میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ مکارم اخلاق دس ہیں:

(i) زبان کی سچائی (ii) حسن خلق (iii) صلہ رحمی (iv) مہمان نوازی (v) حق دار کی حق شناسی (vi) جنگ کے وقت حملہ کی شدت (vii) سائل کو دینا (viii) احسان کا بدلہ دینا (ix) پڑوسی کی حفاظت و حمایت (x) شرم و حیا۔

۲۔ سب سے اچھی زندگی وہ بسر کرتا ہے' جو اپنی زندگی میں دوسروں کو بھی شریک کرے اور سب سے بری زندگی اس کی ہے' جس کے

ساتھ کوئی دوسرا زندگی نہ بسر کر سکے۔

۳۔ ضرورت کا پورا نہ ہونا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کے لیے کسی نااہل کی طرف رجوع کیا جائے۔

۴۔ ایک شخص نے کہا کہ مجھ کو موت سے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا اس لیے کہ تم نے اپنا مال پیچھے چھوڑ دیا۔ اگر اس کو آگے بھیج دیا ہوتا تو اس تک پہنچنے کے لیے خوفزدہ ہونے کے بجائے مسرور ہوتے۔

۵۔ مروت یہ ہے کہ انسان اپنے مذہب کی اصلاح کرے۔ اپنے مال کی دیکھ بھال نگرانی کرے۔ اسے برمحل صرف کرے، سلام زیادہ کرے، لوگوں میں محبوبیت حاصل کرے۔ کرم یہ ہے کہ مانگنے سے پہلے دے، احسان و سلوک کرے، برمحل کھلائے پلائے۔ بہادری یہ ہے کہ پڑوسی کی طرف سے مدافعت کرے۔ آڑے وقتوں میں اس کی حمایت و امداد کرے اور مصیبت کے وقت صبر کرے۔

۶۔ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا کہ حکومت میں ہم پر کیا فرائض ہیں۔ فرمایا جو سلیمانؑ بن داوٗدؑ نے بتائے ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے کہا انہوں نے کیا بتایا ہے؟ فرمایا انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو بتایا کہ بادشاہ کے لیے لازم ہے کہ وہ ظاہر و باطن دونوں میں اللہ کا خوف کرے۔ غصہ اور خوشی دونوں میں عدل و انصاف کرے۔ فقر اور تمول میں درمیانی چال رکھے۔ زبردستی کسی کا مال نہ غصب کرے اور نہ اس کو بے جا صرف کرے۔ جب تک وہ ان باتوں پر عمل کرتا رہے گا، اس وقت تک اس کو دنیا میں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

(از کتاب علی المرتضیٰ)

۳- حضرت سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ

مختصر سوانح و فضائل

ابتدائی تعارف

حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ آپؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرح بے انتہا محبت کرتے تھے۔ آپؐ کبھی ان کو گود میں اٹھاتے، کبھی کندھے پر بٹھاتے، کبھی ہونٹوں پر بوسہ دیتے، رخسار چومتے۔

ولادت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے گیارہ ماہ بعد ۳ شعبان ۴ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپؓ کی ولادت کی خبر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے آئے۔ کان میں اذان دی پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو عقیقہ کرنے اور سر کے بالوں کے برابر چاندی خیرات کرنے کی تلقین فرمائی۔

کنیت اور القاب

آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ اور القاب میں سید شبیر، شہید، سبط اصغر اور ریحانۃ النبی مشہور ہیں۔

اولاد

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے متعدد اولادیں ہوئیں۔ اولاد نرینہ میں سے صرف ایک علی رضی اللہ عنہ بن الحسین رضی اللہ عنہ (جو زین العابدین کے لقب سے مشہور ہیں) باقی بچے اور انہی سے نسل چلی۔ ایک نوجوان فرزند علی اکبر رضی اللہ عنہ اور ایک شیر خوار صاحبزادے علی اصغر رضی اللہ عنہ واقعہ کربلا میں شہید ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ایک فرزند عبداللہ بن حسین رضی اللہ عنہ نے بھی کربلا میں شہادت پائی۔ صاحبزادیوں کی تعداد اکثر اہل سیر نے تین بتائی ہے' سکینہ رضی اللہ عنہا' فاطمہ رضی اللہ عنہا' اور زینب رضی اللہ عنہا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

سید اشباب اھل الجنۃ الحسن رضی اللہ عنہ و الحسین رضی اللہ عنہ

ترجمہ: "جنت والوں کے جوانوں کے سردار حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ ہیں"۔ (مشکوٰۃ)

الحسین منی وانا من الحسین احب اللہ من احب حسینا' حسین سبط من الاسباط۔

ترجمہ: "حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے' میں حسین رضی اللہ عنہ سے ہوں جو حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کرے۔ حسین رضی اللہ عنہ میری اولاد کی اولاد ہے"۔ (ترمذی)

ریحان الدنیا و الاخرۃ الحسن رضی اللہ عنہ و الحسین رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ: "دنیا اور آخرت کے پھول حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ ہیں"۔ (ریاض النضرہ)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ عہد خلفاء ثلاثہ میں

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بے حد عزت کرتے تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بچپن میں جب پہلی مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے لائے گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ابنا العلی شبہا النبی "بیٹا علی رضی اللہ عنہ کا ہے، مشابہ نبی ﷺ کے ہے"۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو حیرہ کی فتح کے بعد جو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا تھا، مال غنیمت میں ایک نہایت خوش قیمت چادر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ہدیہ میں بھیجی تو آپ نے اسے بخوشی قبول فرمایا۔

("فتوح البلدان" ص ۳۵۴ بلاذری)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے ۵۰۵ ہزار درہم وظیفہ ان کے باپ اور بدری صحابہ کے برابر مقرر کیا۔

("شرح معانی الآثار طحاوی" ج ۲، ص ۸۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتوحات مدائن کے مال غنیمت میں ایک لڑکی شاہ جہان کو جو بعد میں شہربانو کہلائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو عطیہ میں دی اور اسی سے بعد میں حضرت زین العابدین پیدا ہوئے۔

("شیعہ کتاب ناسخ التواریخ" جلد ۱۰، ص ۳)

اسلامی فتوحات میں ایک مرتبہ کپڑا آیا اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے موافق کوئی پوشاک نہ ملی تو آپ نے خصوصی طور پر علاقہ یمن کی طرف آدمی روانہ کیا۔ وہاں سے مناسب لباس آیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسے زیب تن کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب میری طبیعت خوش ہوئی ہے۔

("کنز العمال" ۱۰۶ ج ۷ 'البدایہ ص ۲۰۷ ج ۸)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور خلیفہ سوئم حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ:

خاندان بنی ہاشم کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ متعدد رشتے ہوئے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔

("طبقات" ص ۳۴۷ ج ۷)

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا بنت حسین رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

واقعہ کربلا:

معرکہ کربلا کے شرکاء:

۴۰ پیادہ ' ۳۲ سوار ' ۲۱ افراد اہل بیت ' عمرو بن خالد ' عبدالرحمٰن بن عمرو ' وقاص بن مالک ' کنانہ بن عتیق ' قیس بن ربیع ' عمار بن ابی الاسلام ' عود

بن حجاج' زہیر بن حسان' عبداللہ بن عمرو' وہب بن عبد' مسلم بن عوسجہ' شبیر بن محمد' محمد بن حنظلہ' قاسم بن حبیب' یزید ثبت' حبیب بن مظاہر۔

مختصر واقعہ کربلا:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر جب یزید مسند اقتدار پر متمکن ہوا تو حضرت حسین ؓ نے نیک نیتی اور دیانت داری سے بیعت سے انکار کیا۔ اسی اثناء میں شیعان کوفہ سے سلیمان بن خزاعی نے کوفہ کی میٹنگ میں کہا تم ان کے اور ان کے بزرگوار کے شیعہ ہو اگر تم ان کی بیعت کر سکو گے تو ان کو عریضہ لکھ کر بلا لو۔ پھر ایک عریضہ حضرت حسین کی خدمت میں لکھا۔

("جلاء العیون" ص ۱۳۸)

یہاں تک کہ چھ سو خطوط حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور متعدد قاصد حضرت کے پاس جمع ہو گئے اور آخر تک بارہ ہزار خطوط کوفہ سے یہاں پہنچے ان خطوط کے جواب میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو جواب لکھا میں تمہارے پاس مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں اگر مسلم مجھے لکھیں تو میں بہت جلد تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تو اٹھارہ ہزار کوفی شیعوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر اچانک دوسرے روز ہزاروں آدمیوں نے منہ پھیر لیا اور شام تک صرف تیس اور پھر دس آدمی آپ کے ساتھ رہ گئے۔

("جلاء العیون" ص ۱۶۳۔۱۶۴' ج ۲)

چند دنوں کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ' عبداللہ بن یقطر کو شہید کر دیا گیا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے افسردگی میں فرمایا۔ ہمارے شیعوں نے ہماری نصرت سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔

("جلاء العیون" ص ۱۶۴' ج ۲)

امام زین العابدین سے منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو باصرار کہا کہ کوفہ والے بے وفا ہیں ان کے پاس نہ جائیں مگر آپ رضی اللہ عنہ نے جانے کا ارادہ ترک نہ فرمایا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب کوفہ پہنچے تو تیس ہزار عراقیوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی لیکن دوسرے ہی روز بیعت کرنے والوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر تلوار کھینچی اور ہنوز بیعت ان کی گردنوں میں تھی کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دمشق جانے والے راستے کربلا کے مقام پر دس محرم کو نہایت بے دردی اور مظلومیت کے ساتھ ذبح کر دیا اور اسلامی تاریخ کے اوراق پر یہ عظیم حادثہ ثبت ہوگیا۔

معرکہ کربلا میں شہید ہونے والے خاندان نبوت کے افراد:

سعد غلام حضرت رضی اللہ عنہ ، قنبر غلام حضرت حسین رضی اللہ عنہ ، عبداللہ بن عقیل، عبدالرحمن بن عقیل، جعفر بن عقیل، عبداللہ بن مسلم، محمد بن عبداللہ، عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ابوبکر بن حضرت حسین رضی اللہ عنہ ، عثمان بن حضرت حسن رضی اللہ عنہ ، عمر بن حضرت حسین رضی اللہ عنہ ، زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہ ، علی اکبر بن حسین رضی اللہ عنہ ، علی اصغر بن حسین رضی اللہ عنہ ، عبداللہ بن علی رضی اللہ عنہ ، جعفر بن علی رضی اللہ عنہ ، عبداللہ بن حسن محمد بن سعد۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صفات و کمالات:

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے خانوادہ نبوی ﷺ میں پرورش پائی تھی۔ اس لیے معدن فضل و کمل بن گئے تھے چونکہ عہد رسالت میں کمسن تھے۔ اس لیے جناب رسالت مآب ﷺ سے براہ راست سنی ہوئی مرویات کی تعداد صرف آٹھ ہے۔ البتہ بالواسطہ روایت کی تعداد کافی ہے۔ حضور

ﷺ کے علاوہ انہوں نے جن بزرگوں سے احادیث روایت کی ہیں' ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ' حضرت ہند رضی اللہ عنہا ' بن ابی ہالہ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ ان کے رواۃ میں برادر بزرگ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ' صاحبزادے حضرت علی زین العابدینؒ ' صاحبزادیاں حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ' پوتے حضرت محمد باقرؒ ' شعبی عکرمہؒ ' سنان بن ابی سنانؒ ' عبداللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ ' فرزدق شاعر وغیرہ شامل ہیں۔

تمام ارباب سیر نے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ بڑے فاضل تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ قضاء و افتاء میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی۔ اس لیے وہ مسند افتاء پر فائز ہو گئے تھے اور اکابر مدینہ مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ قیدی کو رہا کرانے کا فرض کس پر عائد ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا ان لوگوں پر جن کی حمایت میں لڑا ہو۔ ایک اور موقع پر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے استفتاء کیا کہ شیر خوار بچہ کا وظیفہ کب واجب ہوتا ہے انہوں نے فرمایا پیدائش کے فوراً بعد جب بچے کے منہ سے آواز نکلتی ہے' اس کا وظیفہ واجب ہو جاتا ہے۔

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ دینی علوم کے علاوہ اس عہد کے عرب کے مروجہ علوم میں بھی پوری دسترس رکھتے تھے۔ ان کے تبحر علمی ' علم و حکمت اور فصاحت و بلاغت کا اندازہ ان کے خطبات سے کیا جا سکتا ہے جن میں سے کچھ آج بھی کتب سیر میں محفوظ ہیں۔ فضائل اخلاق کے اعتبار سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پیکر محاسن تھے ' عبادت و ریاضت ان کا معمول تھا۔ قائم اللیل اور دائم الصوم تھے ' فرض نمازوں کے علاوہ بکثرت نوافل پڑھتے تھے۔ ان

کے فرزند حضرت علی زین العابدینؒ کا بیان ہے کہ وہ شب و روز میں ایک ایک ہزار نمازیں (نوافل) پڑھ ڈالتے تھے' روزے بکثرت رکھتے تھے اور سادہ غذا سے افطار فرماتے تھے۔ رمضان المبارک میں کم از کم ایک مرتبہ قرآن پاک ضرور ختم کرتے تھے۔ حج بھی کثرت سے کرتے تھے اور وہ بالعموم پاپیادہ ایک روایت کے مطابق انہوں نے پچیس حج پاپیادہ کیے۔ (تہذیب الاسماء' امام نوریؒ)

ذریعہ معاش:

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ مالی حیثیت سے نہایت آسودہ حال تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ۵ ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر کیا تھا جو انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک برابر ملتا رہا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبرداری کے وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کے لیے دو لاکھ سالانہ مقرر کرا دیے تھے۔ اس مرفہ الحالی کے باوجود ان کی زندگی پر فقر و زہد کا اثر نمایاں تھا۔ اپنا مال کثرت سے راہ خدا میں لٹاتے رہتے تھے' کوئی سائل ان کے در سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔ بعض مرتبہ غرباء کے گھروں پر خود کھانا پہنچاتے تھے۔ اگر کسی قرض دار کی سقیم حالت کا پتہ چلتا تو خود اس کا قرضہ ادا کر دیتے تھے۔

سخاوت اور دریا دلی:

ایک دفعہ نماز میں مشغول تھے' گلی میں ایک سائل کی آواز کانوں میں پڑی۔ جلدی جلدی نماز ختم کر کے باہر نکلے۔ صدا دینے والے سائل کی خستہ حالی دیکھی تو اپنے خادم قنبر کو آواز دی' وہ حاضر ہوئے تو پوچھا ہمارے اخراجات میں سے کچھ باقی رہ گیا ہے؟ قنبر نے جواب دیا "آپ نے دو سو درہم

اہلبیت میں تقسیم کرنے کے لیے دیے تھے وہ ابھی تقسیم نہیں کیے گئے ہیں۔ فرمایا یہ ساری رقم لے آو اہل بیت سے زیادہ ایک مستحق آگیا ہے قنبر نے دو سو درہم لا کر پیش کیے تو سب کے سب سائل کو دے دیے اور ساتھ ہی معذرت کی کہ اس وقت میرا ہاتھ خالی ہے اس سے زیادہ خدمت نہیں کر سکا۔

صدقہ خیرات کے علاوہ اہل علم اور شعراء کی سرپرستی بھی کرتے تھے اور ان کو انعام کے طور پر بڑی بڑی رقموں سے نوازتے رہتے تھے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مجالس وقار اور متانت کا مرقع ہوتی تھیں۔ لوگ ان کا حد سے زیادہ احترام کرتے تھے' ان کے سامنے ایسے سکون اور خاموشی سے بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں اور وقار و متانت اور بلند مرتبت کے باوجود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ تمکنت اور خود پسندی سے کوسوں دور تھے اور بے حد حلیم الطبع اور منکسر المزاج تھے۔ نہایت کم حیثیت کے لوگوں سے بھی خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی طرف جا رہے تھے' راستے میں کچھ فقراء کھانا کھا رہے تھے انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دی' آپ رضی اللہ عنہ سواری سے اتر پڑے اور فرمایا ان اللہ لایحب المستکبرین "بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

پھر ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ فارغ ہوئے تو ان سب کو دعوت پر بلایا' جب وہ لوگ حاضر ہوئے تو آپ نے گھر والوں کو حکم دیا جو کچھ ذخیرہ ہے وہ سب بھجوا دو۔

مختصر احوال و مناقب

۴۔ حضرت سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہ

المعروف امام زین العابدینؒ

ولادت:

امام زین العابدینؒ ہجرت کے ۳۳ ویں سال مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ بعض روایات میں آپ کی ولادت کی تاریخ ۳۶ھ یا ۳۸ھ بھی مذکور ہے۔

آپ کے والد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جب کربلا میں شہید ہوئے تو اس وقت آپ بھی ہمراہ تھے' والد کی مظلومانہ شہادت نے امام موصوف کی طبیعت پر گہرا اثر ڈالا تھا۔

("از شواہد النبوہ" ص ۳۰۹)

حضرت زین العابدینؒ کی والدہ کا نام شاہ جہان المعروف شہربانو تھا' آپ شہنشاہ ایران یزدگر کی صاحبزادی تھیں۔ ایران کی فتح کے بعد جب شہریار بانو اور ان کی بہن نفیسہ قید ہو کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لائی گئیں تو آپ کا نکاح حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کی بہن نفیسہ کا نکاح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے محمد بن ابی بکر سے کر دیا گیا۔

کنیت اور لقب:

آپ کی کنیت صاحبزادوں کے نام پر ابوبکر' ابو محمد اور ابو الحسن مشہور ہے۔ نام علی بن حسین' لقب زین العابدین اور سجاد معروف ہے۔

("از شواہد النبوہ")

امام زین العابدینؒ کا مقام و مرتبہ:

نواسہ رسول سیدنا حسین ؓ کی اولاد ہونے کے باعث جو نسبی شرافت آپ کو حاصل تھی' اس میں کسی بھی مورخ یا محدث کو کلام نہیں۔

آپ کی خاندانی عظمت کا سورج چاردانگ عالم میں چمکتا رہا' دنیا بھر کے تمام مسلمان آپ کی راہ میں آنکھیں بچھاتے تھے۔ آپ جس حلقے یا شہر میں تشریف لے جاتے چاروں طرف سے خلق خدا کا ہجوم آپ کے گرد جمع ہو جاتا۔ آپ کی عقیدت و محبت اور الفت و محبت ہر مسلمان کے دل میں جاگزیں تھی۔

دنیا کا کون مسلمان ہے جو اولاد رسول سے عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ آپ کی محبت کا سورج ہر کلمہ گو کے قلب میں روشن ہے۔ ذریت پیغمبر جگر گوشہ حسین ؓ بلند فطرت اور اعلیٰ تدبر کے حامل تھے۔

حجاج کے دور میں حضرت زین العابدینؒ کی

عقیدت مندی کا واقعہ:

آپ کی ہر دلعزیز شخصیت سے وقت کے حکمرانوں پر لرزہ طاری رہتا تھا' اس نوعیت کا ایک واقعہ "صواعق محرقہ" میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ عقائد جعفریہ' جلد چہارم میں امام زین العابدینؒ کے حالات میں ہے:

"ابو نعیم اور سلفی بیان کرتے ہیں کہ ہشام بن عبدالمالک نے

اپنے باپ یا بھائی ولید کی زندگی میں حج کیا۔ دوران حج بھیڑ کی وجہ سے وہ حجر اسود تک نہ پہنچ سکا۔ لہٰذا اس کے لیے آب زمزم کی ایک جانب کو بند کر دیا گیا۔ وہ یہاں بیٹھ کر حجر اسود کو دیکھتا رہا۔ اس کے اردگرد شامی جاسوسوں کی ایک جماعت بھی تھی۔ اسی دوران امام زین العابدینؑ کعبہ میں تشریف لائے۔ جب آپ حجر اسود کے پاس پہنچے تو مجمع ادھر ادھر منتشر ہو گیا اور امام نے تسلی سے اس کا استلام کیا۔ یہ دیکھ کر شامیوں نے اپنے خلیفہ سے عرض کیا یہ کون ہیں؟ ہشام نے اس وجہ سے کہ کہیں لوگ امام کے شیدائی نہ ہو جائیں' کہہ دیا' میں نہیں جانتا کون ہے۔ اتفاقاً فرزدق شاعر وہاں موجود تھا بولا میں اس کو جانتا ہوں"

فرزدق نے امام زین العابدینؑ کا ان اشعار کے ذریعہ تعارف کرایا:

هذا الذی تعرف البطحاء وطاته
والبيت يعرفه والحل و الحرامه
هذا ابن خير عبدا الله كلهم
هذا التقى النقى الطاهر العلم

ترجمہ: یہ وہ شخص ہے جسے سرزمین بطحاء جانتی ہے اور اسے خانہ کعبہ اور حل و حرم سب پہچانتے ہیں۔

یہ اس شخصیت کا فرزند ہے جو تمام اللہ کے بندوں سے بہتر ہے' یہ نہایت متقی' پاکیزہ' طاہر اور عالم ہے"۔

اذا رائته قريش قال قائلها
الى مكارم هذا ينتهى الكرم
بينمى الى ذروه العرا لتى قصرت

عن نیلها عرب الاسلام و العجم

ترجمہ: "جب اسے قریش نے دیکھا تو ایک کہنے والا بول اٹھا۔ یہ وہ شخص ہے کہ جس پر اچھے اخلاق انتہا کو پہنچ گئے۔ عزت کی اس بلندی تک اسے رسائی ہو گئی جس کے حصول سے عرب و عجم کے سلطان قاصر رہے"۔

اعلیٰ اخلاق کا نمونہ:

خاندان نبوت کے چشم و چراغ امام زین العابدینؑ بھی اپنے آباؤ اجداد کی تصویر کا عکس تھے' تحمل و لیاقت' متانت و سنجیدگی' حلم و بردباری کے ساتھ سطوت و بہادری اور اعلیٰ اخلاق و کردار بھی آپ کا طرہ امتیاز تھا۔ محقق عصر حضرت مولانا محمد علی صاحب نے "عقائد جعفریہ" ج ۴، ص ۳۶۳) پر نور الابصار کے حوالے سے امام موصوف کی سخاوت و فیاضی اور عمدہ اخلاق کا ایک واقعہ یوں نقل کیا ہے:

"دار الاصداف میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ زین العابدینؑ مسجد سے باہر تشریف لائے تو ایک شخص نے آپ سے نازیبا الفاظ کہے۔ اس پر آپ کے بھائی اور غلام نے جوابی کارروائی کا ارادہ کیا۔ آپ نے انہیں منع فرمایا اور خود اس بدزبان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا۔ دیکھو ہمارے حالات تم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا دھڑک بتا دو۔ ہم تمہاری مدد کرنے کو تیار ہیں۔ یہ سن کر وہ سخت شرمندہ ہوا اور امام موصوف نے اسے پانچ ہزار درہم اور ایک کمبل عنایت فرمایا۔ اس نے کہا' میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ واقعی رسول اللہ ﷺ کی اولاد ہیں۔ اسی طرح ایک اور شخص نے آپ سے گستاخانہ کلام کیا۔ آپ نے فرمایا۔ دیکھو'

تمہارے اور ہمارے درمیان جہنم کی گھاٹی ہے۔ اگر میں اس سے گزر گیا تو تمہارے اس گستاخانہ کلام کی مجھے پرواہ نہیں اور اگر نہ گزر سکا تو ان کلمات سے بڑھ کر سخت کلمات کا مستحق ہوں"۔

حضرت سیدنا امام زین العابدینؒ کی جیل سے رہائی کی کرامت

"شواہد النبوۃ" مطبوعہ نبویہ گنج بخش لاہور' ص ۳۰۹ پر ہے:

"ابن احمدون نے زہری سے روایت کی ہے۔ عبدالملک بن مروان خلیفہ نے کسی شکایت کی بناء پر امام زین العابدینؒ کو مدینہ منورہ سے گرفتار کروایا اور سخت نگرانی میں رکھا۔ جب انہیں گرفتار کر کے لے جا رہے تھے اور امام زہریؒ آئے اور ان کے قریب آ کر روتے ہوئے کہنے لگے۔ کاش! میں آپ کی جگہ ہوتا' آپ کو چھوڑ کر مجھے گرفتار کر لیا جاتا۔ امام نے فرمایا' تم کیا سوچتے ہو کہ یہ قید و بند کی زنجیریں مجھے تکلیف دیتی ہیں۔ ہرگز نہیں میں اگر چاہتا تو یہ زنجیریں مجھے نہ پہنائی جا سکتیں۔ میں نے یہ اس لیے قبول کی ہیں کہ ان کے ذریعہ مجھے اللہ تعالیٰ کا عذاب یاد آ رہا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ اور پاؤں زنجیر سے نکال کر فرمایا' میں ان گرفتار کرنے والوں کے ساتھ دو دن سے زیادہ عرصہ نہیں رہوں گا۔ خدا کی قسم! ان گرفتار کرنے والوں کو ابھی دو دن بھی نہ گزرے تھے کہ بوقت صبح انہوں نے امام زین العابدین کو گم پایا۔ بہت تلاش کیا گیا لیکن آپ نہ مل سکے۔

امام زہری کہتے ہیں کہ میں خلیفہ عبدالملک کے پاس گیا تو اس

نے زین العابدین کے بارے میں مجھ سے پوچھا۔ میں نے کہا کہ جس دن آپ کے کارندوں نے انہیں گم پایا وہ سیدھے میرے پاس آئے اور فرمانے لگے۔ تیرا اور میرا اب کیا ہو گا۔ میں نے عرض کیا' آپ میرے پاس قیام فرمائیں۔ فرمایا' مجھے یہ پسند نہیں اور یہ کہہ کر چل دیے۔ لیکن بخدا مرا دل ان کی وجہ سے خوف زدہ ہو گیا۔

عبدالملک خلیفہ نے جب امام موصوف کی یہ کرامت سنی تو اپنے گورنر حجاج بن یوسف کو حکم دیا کہ بنی عبدالمطلب کے خون سے ہاتھ اٹھا لیا جائے' اور یہ بھی لکھا' امام زین العابدینؒ کو کہنا کہ اس واقعہ کی کسی کو اطلاع نہ دی جائے۔ امام موصوف نے نور بصیرت سے خلیفہ کے اس خط کو جان لیا۔ اسی وقت ایک خط عبدالمالک کی طرف تحریر فرمایا۔ لکھا کہ جو تم نے عبدالمطلب کے بارے میں فیصلہ کیا ہے میں اس کا ممنون ہوں۔ جب یہ خط عبدالملک کے پاس پہنچا تو اس نے تاریخ تحریر کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ اس نے جو خط حجاج بن یوسف کو اس مضمون کا لکھا تھا' امام موصوف کا خط بھی اسی تاریخ کا لکھا ہوا تھا اور امام موصوف کے قاصد اور عبدالملک کے قاصد کی روانگی بھی ایک تاریخ کی تھی۔

یہ دیکھ کر عبدالملک کو معلوم ہو گیا کہ امام زین العابدینؒ صاحب کشف و کرامات ہیں۔ لہٰذا اپنے غلام کے ہاتھ بہت سے درہم اور کپڑے امام موصوف کی خدمت میں اس نے ارسال کیے اور کہا کہ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھا کیجیے"۔

امام زین العابدینؒ کربلا میں:

شہزادہ نبوت امام زین العابدینؒ نے کربلا میں کوفیوں کے ہاتھوں ظلم

کے بے پناہ دکھ اٹھائے والد اور بھائیوں کو اپنے سامنے ذبح ہوتے دیکھا۔ آپ کی طبیعت میں اضمحلال اور نقاہت کے آثار نمایاں تھے۔ امام موصوف نے کوفیوں کی بے وفائی اور غداری پر طویل خطبے ارشاد فرمائے جو اسی کتاب میں اپنے مقام پر موجود ہیں۔

مختصر احوال و سوانح و مناقب

۵- حضرت سیدنا امام باقر بن زین العابدینؒ

ولادت:

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے اور امام زین العابدین کے صاجزادے امام باقر ۱۳ صفر بروز جمعہ ۵۷ھ کو پیدا ہوئے۔

نام اور لقب:

آپ کا نام محمد اور لقب باقر تھا۔ آپ کی کنیت ابو جعفر تھی' آپ کی شخصیت بھی اپنے والد اور دادا جان کی طرح سحرانگیز تھی' تقویٰ و طہارت اور خدا ترسی میں اپنی مثال آپ تھے۔ امام باقر نے خانوادہ نبوت کی حیثیت سے اپنے گھرانے میں پرورش پائی جو ولایت و ریاضت کا مہر منیر تھا جن کی عظمت کے آگے آسمانوں کی رفعت بھی خیرہ ہو جاتی تھی جن کے نیر اقبال نے اوج ثریا سے آگے پرواز کی تھی۔ امام باقرؒ کی تعلیمات آنحضرت ﷺ ' خلفاء راشدین بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کے کردار کا پرتو تھیں۔ وہ اپنے دور میں امت مسلمہ کے مرجع اور منبع تھے۔

سکونت:

امام موصوف نے ابتدائی تربیت اپنے والد سے حاصل کی۔ آپ نے بچپن سے وفات کا پورا عرصہ مدینہ منورہ میں جوار رسول ﷺ میں گزارا۔

آپ کی بزرگی اور تقدیس کا شہرہ پورے عالم میں تھا۔ عبادت گزاری اور للّٰہیت میں آپ کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔

خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام اور پیغام

حضرت امام باقرؑ کا بیان ہے:

"ایک مرتبہ میں مشہور صحابی رضی اللہ عنہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت آپ کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ میں نے انہیں سلام کیا' انہوں نے سلام کا جواب دے کر پوچھا' تم کون ہو میں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں محمد بن علی بن حسین (المعروف امام باقرؑ) ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے میرے ہاتھوں کا بوسہ لیا' انہوں نے فرمایا' بیٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں سلام بھیجا ہے۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام دینے کا واقعہ کیسے ہوا تو انہوں نے فرمایا' ایک دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا' آپ نے فرمایا "اے جابر رضی اللہ عنہ شاید تمہاری ملاقات میری اولاد کے ایک فرزند "محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ" سے ہو خدا اسے انوار و حکمت عطا فرمائے تم اسے میرا سلام کہنا"۔

(ایضاً بحوالہ "عقائد جعفریہ" ج ۴' ص ۳۶۴)

امام محمد باقرؑ کی چند کرامات:

حضرت امام باقرؑ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ اہلسنت کے عقائد کے مطابق کرامات اور معجزات برحق ہیں۔ کرامات اولیاء اللہ اور معجزات انبیاء علیہم السلام سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ان میں براہ راست خدا کی رضا اور حکم کا دخل ہوتا ہے۔

1- مکان کی بنیاد ختم ہو جائے گی:

امام باقرؑ کی چند مشہور کرامات کو "شواہد النبوہ" سے نقل کیا جاتا ہے:

1- راوی بیان کرتا ہے کہ ہم امام محمد باقرؑ کے ہمراہ ہشام بن عبدالملک کے پاس سے گزرے وہ اس وقت اپنے ایک مکان کی بنیاد رکھ رہا تھا۔ امام نے یہ دیکھ کر فرمایا خدا کی قسم! یہ مکان خراب و خستہ ہو جائے گا۔ لوگ اس کی مٹی تک نہیں چھوڑیں گے۔ اور اسکی بنیادوں میں رکھا گیا پتھر کھنڈرات میں تبدیل ہو جائے گا۔ راوی کہتا ہے۔ آپ کی ان باتوں پر بڑا تعجب ہوا کہ وقت کے خلیفہ کا گھر کون تباہ کر سکتا ہے۔ بہر حال جب ہشام نے انتقال کیا تو اس کے بیٹے ولید بن ہشام کے حکم سے اس کو مسمار کر دیا گیا۔ اور اس کی مٹی اس قدر کھودی گئی کہ مکان کی بنیاد کے پتھر نظر آنے لگے۔ یہ واقعہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

2- وفات سے پہلے وفات کا وقت متعین کر دیا

امام موصوف فرزند جناب امام جعفر صادق بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میرے والد گرامی نے مجھے فرمایا۔ دیکھو میرے عمر کے صرف پانچ سال باقی ہیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ہم نے مہینے اور سال شمار کیے بالکل اتنے نکلے جتنے آپ نے فرمائے تھے۔

3- مہمان کی خبر پہلے دے دی

بزرگان سلف میں سے ایک فرماتے ہیں۔ کہ مکہ مکرمہ میں رہائش کے دوران مجھے شوق ہوا کہ میں امام محمد باقرؑ کی زیارت کروں۔ لہٰذا میں ان کی

زیارت کے لیے بالخصوص مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ جس رات میں مدینہ شریف پہنچا اس رات سخت بارش ہو رہی تھی جس کے باعث سردی میں شدت آگئی تھی آدھی رات کے بعد میں آپکے در دولت پر پہنچا میں اس سوچ میں تھا کہ اب آپ کا دروزہ کھٹکھٹاؤں یا صبح تک صبر کروں۔ کہ آپ خود باہر تشریف لے آئے۔ اچانک آپ کی آواز سنائی دی آپ نے اپنی لونڈی سے فرمایا اٹھو اور فلاں مہمان کے لیے دروزاہ کھول دو کیونکہ آج رات اسے سخت سردی نے ستایا ہے دروزاہ کھلا اور میں اندر چلا گیا۔

4۔ کرامت دیکھ کر نصرانی مسلمان ہو گیا

ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام باقر گھوڑے پر سوار کہیں جا رہے تھے۔ میں بھی آپ کے ساتھ تھا تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ دو آدمی نظر آئے آپ نے فرمایا۔ یہ دونوں چور ہیں انہیں پکڑ لو۔ اور مضبوطی سے باندھ دو آپ کے غلاموں نے ایسا ہی کیا پھر آپ نے اپنے ایک قابل اعتماد آدمی سے فرمایا۔ اس پہاڑ میں ایک غار ہے وہاں جاؤ اور جو اس میں ملے لے آؤ۔ وہاں سے اسے سامان سے بھرے ہوئے دو صندوق ملے۔ واپسی پر اس نے تیرا صندوق اپنی طرف سے سامان کا بھر لیا۔ جب وہ آدمی صندوق لے کر آیا تو فرمایا ان صندوقوں کے مالکوں میں سے ایک یہاں موجود ہے اور دوسرا موجود نہیں ہے۔ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں ایک شخص نے دوسرے پر استحقاق کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ اور مدینہ کا گورنر اسے ڈانٹ ڈپٹ رہا تھا امام نے فرمایا۔ انہیں سرزنش نہ کرو۔ آپ نے دونوں صندوق ان کے مالکوں کے سپرد کر دیے اور فرمایا کہ چوروں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ آپ کے حکم کی تعمیل پر ان کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ میرا ہاتھ رسول اکرم ﷺ کے فرزند کی موجودگی میں کاٹا گیا۔ اور ان کے دست

حق پرست پر ہی میری توبہ قبول ہوئی۔ آپ نے فرمایا اچھا تو پھر پکی توبہ کا عہد کرو۔ ایک سال بعد تمہارا اس دنیا سے کوچ ہو جائے گا۔ اس نے توبہ کی اور ایک سال زندہ رہا۔

اس کے انتقال کے تین دن بعد اس صندوق کا ایک اور مالک آیا۔ آپ نے فرمایا۔ اس میں ایک ہزار دینار تو تمہارا ہے لیکن دوسرا ہزار کسی اور کا ہے اور کپڑوں کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ وہ کہنے لگا اگر آپ کو یہ سب کچھ معلوم ہے تو اس کا نام بھی بتا دیجئے۔ فرمایا اس کا نام محمد بن عبدالرحمٰن ہے۔ جو بہت نیک اور صالح ہے۔ اور صدقہ اور خیرات کرنے والا ہے۔ اور پابندی سے نماز ادا کرنے والا ہے۔ اب دروازے پر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ جس شخص سے امام موصوف باتیں کر رہے تھے وہ نصرانی تھا۔ یہ باتیں سننے کے بعد اس نے کہا بے شک اللہ ہی وحدہ لاشریک ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق یا مستحق نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ہیں۔ اس کے بندے ہیں یعنی وہ اس تصدیق و اقرار کیساتھ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

5- وفات خبر

آپ کا ۱۷۰ھ میں انتقال ہوا۔ بوقت وصال آپ کی عمر شریف ۶۳ یا بقول بعض ۵۸ برس تھی۔ آپ نے وصیت فرما رکھی تھی کہ مجھے اس قمیص کا کفن پہنایا جائے جو پہن کر میں نماز ادا کرتا تھا۔ "دار الاصداف" نامی کتاب میں مزکور ہے کہ ان کو بھی ان کے والد گرامی کی طرح زہر دیا گیا تھا۔ آپ جنت البقیع میں "قبۃ العباس" میں مدفون ہوئے۔ "الفصول المھمۃ" میں بروایت امام جعفر صادق یوں ہی مزکور ہے۔ نیز فرماتی ہیں کہ میں جعفر صادق باقت وصال ان کے قریب تھا آپ نے غسل، کفن و دفن کے بارے میں مجھے وصیت فرمائی۔ میں نے عرض کیا اباجان! جب سے آپ بیمار ہوئے میں آج

آپ کو پہلے کی نسبت تندرست دیکھ رہا ہوں اور موت کے کوئی آثار مجھے نظر نہیں آئے۔ فرمایا۔ اے لخت جگر! کیا تمہیں علی بن حسین کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی؟ وہ دیوار کے پیچھے سے مجھے بلا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں "محمد" جلدی کرو۔

مختصر احوال و کوائف و مناقب

حضرت سیدنا امام جعفر صادقؒ

ولادت

حضرت امام جعفر ۸۳ھ ربیع الاول کے آخری عشرے میں سوموار کے دن مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

لقب اور کنیت

آپ کا لقب صادق اور کنیت ابو عبداللہ اور اسمٰعیل تھی۔

والد کا نام

آپ حضرت امام محمد باقر کے صاحبزادے تھے۔

والدہ کا نام

آپ کی والدہ کا نام ام فروہ تھا یہ حضرت ابو بکر صدیق کے پوتے قاسم بن محمد بن ابی بکر اور حضرت ابو بکر کی پوتی حضرت اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابو بکر کی صاحبزادی تھیں۔

گویا حضرت امام جعفر صادقؒ کی والدہ کا شجرہ نسب ننھیال اور ددھیال میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے' اسی لیے حضرت جعفر صادقؒ

فرمایا کرتے تھے:

ولدنی ابوبکر مرتین

ترجمہ: "ابوبکر ﷺ نے مجھے دو مرتبہ جنا"۔

("از شواہد النبوہ" ص ۳۲۶)

وفات:

ایک روایت میں آپ نے حضرت ابوبکر ﷺ کو اپنا امام اور پیشوا قرار دیا ہے۔ حضرت امام جعفرؒ نے ۶۵ سال کی عمر میں بروز سوموار ماہ شوال ۱۴۸ھ کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ آپ کی قبر جنت البقیع میں حضرت زین العابدین اور امام حسن ﷺ کی قبر کے متصل واقع ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کی وفات سے خلفاء راشدین اور صحابہ کرام ﷺ کے بارے میں حسن ﷺ کے کلمات اسی کتاب میں اپنے مقام پر موجود ہیں۔

امام جعفر صادقؒ کے فضائل و کمالات:

حضرت علی ﷺ کی اولاد میں حضرت امام جعفر صادقؒ کا مقام و مرتبہ مسلمہ حیثیت رکھتا ہے۔ آپ ولایت و بزرگی کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ خدا ترسی، للہیت اور فیاضی آپ کا طرہ امتیاز تھا۔ امام جعفر صادقؒ کے دور میں صحابہ کرام ﷺ میں حضرت انس ﷺ اور قلیل صحابہ کرام ﷺ حیات تھے۔ آپ ان کی خدمت میں حاضری دیتے۔ فرزند رسول ہونے کی وجہ سے ہر شخص آپ سے گہری عقیدت رکھتا تھا ان کی طرف صحابہ کرام خلفاء راشدین کے خلاف روایات کی نسبت کرنے والوں نے آپ کی وفات کے ڈیڑھ سو سال بعد آپ کی تعلیمات کا مذاق اڑا کر من گھڑت کلمات آپ کے نام سے عام کیے۔

امام جعفر صادقؒ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین خوشگوار تعلقات قائم تھے۔ آپ شرف صحابیت تو نہ پا سکے بلکہ آپ کو جلیل القدر تابعی کا مقام حاصل تھا۔

تقویٰ اور بزرگی میں آپ ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ اپنے دور کے بڑے بڑے لوگ آپ کے تقدس اور پاکبازی کے معترف تھے۔ آپ کا شمار اولوالعزم تابعیوں میں ہوتا تھا۔

حضرت امام جعفر صادقؒ کی چند کرامات

امام ابن جوزیؒ کی معرکتہ الآرا کتاب "صفوۃ الصفوہ" میں لیث بن سعد کی اسناد کے ساتھ لکھا گیا ہے:

"میں مکہ معظمہ میں نماز عصر ادا کر رہا تھا۔ فراغت کے بعد کوہ ابو قیس کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ وہاں مجھے ایک شخص دکھائی دیا۔ میں اس کے قریب پہنچا تو وہ یارب یارب کہہ کر خدا کو پکار رہا تھا۔ دعا مانگتے مانگتے اس کا سانس ٹوٹ گیا۔ پھر اس نے یاحی یاحی پڑھنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ پھر سانس ٹوٹ گیا۔ پھر یارحیم پھر ارحم الراحمین پڑھا۔ ہر مرتبہ اس کا سانس اکھڑ جاتا۔ سات مرتبہ اس طرح کرنے کے بعد یہ الفاظ کہے:

اللھم ان اشھتنی من ھذا العنب اللھم و ان بردی قد اخلقا

ابھی یہ دعائیہ کلمات ختم نہ ہوئے تھے کہ میں نے وہاں انگوروں کا ایک گچھا اور دو نئی چادریں پڑی دیکھیں۔ اس موسم میں انگور کہیں بھی دستیاب نہ تھے۔ اس شخص نے انگور کھانے شروع کیے تو میں نے بھی شرکت کی درخواست کی۔ پوچھا تم کیوں شرکت کرنا

چاہتے ہو۔ میں نے عرض کیا وجہ یہ ہے کہ آپ نے دعا فرمائی تھی اور میں نے بھی آمین کہی تھی۔ فرمایا آؤ اور کھاؤ لیکن کوئی دانا باقی نہ بچے۔ میں نے ان کا جو ذائقہ پایا' وہ بے مثل تھا۔ میں نے خوب سیر ہو کر وہ کھائے لیکن حیران کن بات یہ کہ ان میں سے ایک بھی دانا کم نہ ہوا۔ وہ شخص پھر مجھے کہنے لگا اور کھاؤ۔ میں نے عرض کیا اب حاجت نہیں رہی۔ فرمایا اچھا تو پھر ادھر ادھر جاؤ کیونکہ میں ان چادروں کو چھپانا چاہتا ہوں۔ میں ایک طرف ہو گیا تو اس نے چادروں میں سے ایک کا تہبند بنا لیا اور دوسری کو اوپر اوڑھ لیا اور پرانی چادروں کو ہاتھ میں پکڑ کر چل دیا۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جب صفا مروہ پر پہنچے تو اس سے ایک اور شخص ملا۔ اس نے عرض کیا اے رسول اللہ کے فرزند! میرا جسم ڈھانپئے۔ اللہ تعالیٰ تمہارا تن ڈھانپے گا۔ اس نے وہ دونوں چادریں اس مانگنے والے کو دے دیں۔ میں پھر اس سائل کے پیچھے ہو لیا۔ اس سے میں نے دریافت کیا بھائی ذرا مجھے بتلاؤ کہ جس نے تمہیں یہ چادریں عطا کیں' وہ کون ہے؟ وہ بولا وہ جعفر بن محمد ہیں۔ بعد ازاں میں نے ان سے حدیث سننے کی بہت خواہش کی لیکن وہ نہ مل سکے۔

(شواہد النبوۃ' ص ۳۳۱' مکتبہ نبویہ لاہور)

(دوم صواعق محرقہ) ص ۳۰۲' مطبوعہ قاہرہ' طبع جدید

امام جعفر صادق کے چچازاد بھائی عبد اللہ المحض جو بنی ہاشم کے سردار اور محمد نفس زکیہ اور ابراہیم کے والد ہیں۔ بنی ہاشم نے ان کی بیعت کا ارادہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بنی امیہ کی حکومت کمزور ہو چکی تھی۔ بنی ہاشم نے ایک اجتماع کیا اور اس میں یہ طے پایا کہ امام جعفر صادق کو بلایا جائے۔ لہٰذا جب

انہیں دعوت دی گئی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ بنی ہاشم اس سے یہ سمجھے کہ امام جعفر کو نفس زکیہ اور ابراہیم سے حسد ہے۔ جب اس کا علم امام جعفر کو ہوا تو انہوں نے فرمایا مجھے کسی سے کوئی حسد نہیں لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ حکومت نہ ان دونوں میں سے کسی کو اور نہ ہی مجھے مل سکتی ہے۔ بلکہ اس شخص کو ملے گی جو پیلے رنگ کی قباء پہننے والا ہے۔ (یعنی منصور عباسی) امام جعفر کی یہ بات منصور عباسی کے دل میں سما گئی۔ حتیٰ کہ وہ بادشاہ بن گیا۔ اسی امر کی خبر امام جعفر کے والد جناب امام باقر بھی پہلے ہی سے دے چکے تھے۔ لہٰذا امام جعفر نے منصور سے کہا کہ تم شرق و غرب پر حکومت کرو گے اور تمہاری حکومت دیر تک چلے گی۔ منصور دوانقی نے پوچھا اے جعفر آپ کی حکومت پہلے ہو گی یا ہماری۔ فرمایا پہلے تمہاری حکومت ہو گی۔ پھر اس نے پوچھا کیا میری اولاد میں سے بھی کوئی بادشاہ بنے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں بنے گا۔ پھر دوانقی نے پوچھا بنی امیہ اور ہماری حکومت میں سے کس کا زمانہ طویل ہو گا۔ فرمایا تمہاری حکومت زیادہ دیر تک چلے گی لیکن تمہاری مملکت کے ساتھ بچے گیند کی طرح کھیلیں گے۔ امام جعفر نے یہ سب کچھ بتا کر فرمایا یہ باتیں مجھے میرے والد نے بتلائی تھیں۔ پھر جب منصور بادشاہ بن گیا تو امام جعفر کی ان باتوں پر بہت تعجب کیا کرتا تھا۔

حضرت سیدنا موسیٰ کاظم رحمتہ اللہ علیہ (مختصر احوال و فضائل)

ولادت

امام جعفر صادق کے صاحبزادے موسیٰ کاظم ؒ کی ولادت ۱۲۸ھ صفر المظفر بروز اتوار کو ہوئی۔ آپ کا جائے پیدائش مقام ابواہ ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ آپ کا نام موسیٰ اور لقب کاظم تھا۔

والدہ کا نام

آپ کی والدہ امولا حمیدہ بربیہ تھیں۔ امام موسیٰ کاظم بھی اپنے والد حضرت جعفر صادق ؒ کی طرح خدا ترس اور صالح افراد میں شامل تھے۔

خلیفہ مہدی بن منصور کی طرف سے گرفتاری

مہدی کے حکم سے آپ کو ۲۵ سال کی عمر میں گرفتار کیا گیا۔ مدینہ منورہ سے گرفتار کر کے آپ کو بغداد لایا گیا تھا۔ یہاں آپ کو بادشاہ کے ذاتی قید خانے میں محصور کیا گیا۔

خواب میں حضرت علیؓ کی خلیفہ کو تنبیہ اور موسیٰ کاظم کی رہائی

شواہد النبوۃ میں موسیٰ کاظم کی گرفتاری کے بعد ایک رات میں خواب میں حضرت علیؓ نے مہدی منصور سے فرمایا:

فهل عسيتم ان تفسدوا فى الارض ان تقطعوا (الخ)

مہدی نے آدھی رات کے بعد اپنے کار خاص (سیکرٹری) اسیع کو بلایا۔ اس وقت مہدی بلند آواز سے یہ آیت تلاوت کر رہا تھا۔ خلیفہ نے مہدی کو حکم دیا کہ ابھی موسیٰ کاظم کو رہا کر کے میرے پاس لاؤ۔

ربیع کا بیان ہے:

"رات کے آخری حصے میں حضرت موسیٰ کاظم کو رہا کر کے دربار میں پیش کیا گیا۔ خلیفہ نے آپ سے معانقہ کیا۔ اپنے پاس بٹھا کر خواب سنایا اور پھر کہا کیا آپ نہیں کر سکتے کہ میرے اور میرے بچوں کے خلاف بغاوت ترک کر دیں۔ آپ نے فرمایا مجھ پر بغاوت کا الزام جھوٹا ہے۔ میں آپ کے خلاف بغاوت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسی وقت خلیفہ نے آپ کو دس ہزار درہم اور سامان سفر دے کر مدینہ منورہ روانہ کر دیا"۔

(از شواھد النبوۃ' ص ۳۳۶)

بعض روایات کے مطابق حضرت موسیٰ کاظم کو ایک بار پھر خلیفہ نے بعض شکایات پر گرفتار کر کے بغداد میں قید کیا۔ آپ کی وفات قید ہی میں ہوئی۔ ۱۸۶ھ کا سن تھا اور ہارون رشید کا دور حکومت تھا۔ (از شواھد النبوۃ' ص ۳۳۶)

حضرت موسیٰ کاظم کا علم و فضل

"صواعق محرقہ" ص ۲۰۳ تذکرہ موسیٰ میں ہے:

"آپ اھل عراق میں عنداللہ قضائے حاجات کا دروازہ" مشہور تھے۔ اپنے دور کے لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار

عالم اور سخی تھے۔ ایک مرتبہ ہارون رشید نے ان سے پوچھا تم اپنے آپ کو آل رسول کہلاتے ہو۔ حالانکہ تم اولاد حضرت علی المرتضیٰؓ کی ہو۔ آپ نے جواباً یہ آیت پڑھی:

ومن ذریتہ داود وسلیمان وعیسٰی وایوب

ترجمہ: "یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے داود، سلیمان، عیسیٰ اور ایوب ہو گزرے ہیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو کوئی والد نہیں تھا)

دوسری آیت یہ پڑھی:

تعالوا ندع ابناء نا وابناء کم (الخ)

ترجمہ: " حضور اکرمؐ نے بوقت مباہلہ حضرت علیؓ، حسنؓ اور حسینؓ کے علاوہ کسی اور کو نہیں بلایا تھا (اور انہیں ہی آپ نے اپنے بیٹے کہا) (صواعق محرقہ، ۲۰۳، تذکرہ موسیٰ کاظم)

آپ کی کرامات

اول:

کتب معتبرہ میں جناب شقیق بلخی سے روایت موجود ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں دوران حج سفر کرتے کرتے سرزمین قادسیہ جا نکلا۔ وہاں مجھے ایک خوبصورت اور بلند قامت شخص نظر آیا۔ جس نے اونی کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے اور کندھے پر ایک شملہ ڈالا ہوا تھا اور پاؤں میں نعلین تھے۔ بھیڑ سے نکل کر وہ اکیلا بیٹھ گیا۔ میں نے خیال کیا کہ یہ نوجوان کوئی صوفی معلوم ہوتا ہے اور اس کا خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی پر بوجھ نہ بنے۔ لہذا میں نے ارادہ کیا کہ اسے کچھ تنبیہ کی جائے تاکہ وہ ایسا کرنے سے باز آ جائے۔ جب

میں اس کے نزدیک گیا تو وہ بولا اے شفیق اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم (الخ) آیت پڑھی اور چلتا بنا۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ اس کو میرا نام اور میرا مقصد معلوم تھا۔ کوئی نیک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ لہذا مجھے اس سے معافی مانگنی چاہیے۔ میں اس کے پیچھے تیزی سے چلا۔ لیکن اسے نہ پا سکا۔ جب دوسری منزل پر ہم پہنچے تو میں نے اسی نوجوان کو نماز میں مشغول دیکھا۔ جسم پر کپکپی اور آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں نے پھر معافی مانگنے کا ارادہ کیا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں اس کی طرف چل دیا۔ اس نے دیکھ کر کہا اے شفیق انی لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحا ثم اهتدی یہ آیت پڑھی اور چل دیا۔ میں نے خیال کیا کہ یہ نوجوان کوئی ابدال ہے۔ جس نے دوبارہ میرے دل کی بات جان لی۔ اسی طرح جب ایک اور مقام پر پہنچے تو میں نے اسی نوجوان کو ایک کنوئیں میں کھڑا پایا۔ ہاتھ میں چرمی ڈول تھا اور اس سے پانی نکالنا چاہا۔ لیکن ڈول کنوئیں میں گر گیا۔ اس نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور یہ کلمات کہے انت ربی ان ظمات الماء وقوتی اذا اردت الطعام اللهم سیدی الی عبر کٔ فلا تقدم ان الفاظ کے ساتھ میں نے خدا کی قسم دیکھا کہ پانی اوپر آگیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ڈول اٹھایا۔ اس سے وضو کیا اور چار رکعت نماز ادا کی۔ پھر ریت کے ایک ٹیلہ پر گیا اور تھوڑی سی مٹی ہاتھ میں لے کر اس ڈول میں ڈال دی۔ اسے خوب ہلایا اور پھر اسے پی گیا۔ میں یہ دیکھ کر اس کے قریب گیا اور سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے کچھ کھانا کھلایئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ دے رکھا ہے۔

وہ نوجوان بولا اے شفیق ! ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی نعمتیں مجھے ملتی رہتی ہیں۔ لہذا تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا اور نیک گمان رکھ۔ پھر

مجھے وہی ڈول دیا۔ میں نے اس سے پانی پیا۔ اس میں ستو اور شکر ملے ہوئے تھے۔ وہ اس قدر لذیذ تھے کہ میں نے زندگی پر ایسی میٹھی کوئی چیز نہ کھائی اور نہ پی۔ میں اس سے ایسا سیراب ہوا کہ چند دن تک مجھے کھانے پینے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ اس کے بعد وہ نوجوان مجھے نظر نہ آیا۔

جب ہم مکہ معظمہ پہنچے تو میں نے اسے نماز تہجد پڑھتے دیکھا۔ خشوع و خضوع سے اور آنکھوں سے آنسو بہا کر نماز ادا کر رہا تھا۔ رات گئے تک یہی سلسلہ رہا۔ صبح ہوئی نماز فجر ادا کرنے کے بعد طواف کعبہ کیا۔ فراغت پر جب کعبہ سے باہر گیا تو میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے پاس بہت سے غلام اور خادم ہیں اور اس کے ارد گرد لوگوں کا جمگھٹا ہے۔ تمام حاضرین کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

السلام علیک یا ابن رسول اللہ

میں نے دریافت کیا کہ یہ نوجوان کون ہے تو مجھے بتلایا گیا کہ ان کا نام موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین ابن علی ابن ابی طالب ہے۔ یہ سن کر میرے منہ سے برجستہ نکلا کہ اس سید زادے سے اس قسم کے واقعات کوئی تعجب کی بات نہیں۔

(شواھد النبوۃ' ص ۳۲۷' تذکرہ موسیٰ بن جعفر' مکتبہ نبویہ لاہور)

دوم

ہارون رشید نے خواب میں حضرت علی المرتضیٰ کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں برچھی تھی اور فرمایا اے ہارون! اگر تو نے موسیٰ کاظم کو رہا نہ کیا تو میں اس برچھی سے تجھے ذبح کر دوں گا۔ وہ سہما ہوا خواب سے اٹھا۔ اسی وقت پولیس افسر کو حکم دیا کہ کاظم موسیٰ کو رہا کر دیا جائے اور ساتھ ہی تین ہزار درہم ان کے لیے روانہ کیے اور یہ بھی کہا کہ موسیٰ کاظم کو یہاں رہنے یا کسی

اور جگہ جہاں وہ چاہیں جانے کا اختیار ہے۔ امام موصوف مدینہ تشریف لے آئے اور پھر ہارون الرشید نے آپ کو خواب کا واقعہ سنایا۔ آپ نے اس سے عجیب تر واقعہ سنایا۔ انہوں نے مجھے چند کلمات سکھلائے۔ کہنے لگے میں نے ابھی وہ کلمات پورے ادا نہیں کیے تھے کہ میری رہائی ہو گئی۔

(صواعق محرقہ، ص ۲۰۴، تذکرہ موسیٰ کاظم، مطبوعہ قاہرہ، طبع جدید)

آپ کی شب و روز کی عبادت

تاریخ بغداد

عمار ابن ربانی سے روایت ہی کہ جب موسیٰ کاظم سندھی کے ہاں گرفتار کیے گئے تو سندھی کی ہمشیرہ نے اپنے بھائی کو کہا موسیٰ کاظم کو میرے سپرد کر دے۔ وہ دیندار تھی۔ سندھی نے اس کی بات مانی اور موسیٰ کاظم کو اس کے سپرد کر دیا۔ یہی بی بی بیان کرتی ہے کہ جب موسیٰ کاظم نماز عشاء پڑھتے تو پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو جاتے۔ جب رات ڈھل جاتی تو آپ نوافل شروع فرماتے۔ صبح تک نفل ادا کرتے رہتے۔ پھر تھوڑا سا ذکر کرتے۔ حتیٰ کہ جب سورج طلوع ہوتا تو کچھ دیر وہیں بیٹھے رہتے۔ صلوات چاشت ادا کرتے پھر سونے کی تیاری فرماتے۔ مسواک کرتے، کھانا کھاتے اور آرام کرنے کے لیے سو جاتے۔ زوال تک آرام فرماتے۔ پھر اٹھتے وضو فرماتے، قبلہ رخ ہو کر اللہ کا ذکر فرماتے۔ تسبیح و تہلیل اور نماز پڑھتے۔ پھر دوسری نماز تک یہی سلسلہ جاری رہتا۔ مغرب کے بعد نوافل ادا فرما کر پھر عشاء کا عمل اسی طرح جیسا کہ گزر چکا، شروع فرماتے۔ آپ کا یہ روزانہ معمول تھا۔

(تاریخ بغداد، جلد ۱۳، ص ۳۱، تذکرہ موسیٰ بن جعفر)

CamScanner

آپ کی سخاوت (تاریخ بغداد)

محمد بن عبداللہ بکری کا کہنا ہے کہ قرض کی خاطر میں مدینہ آیا۔ اس آنے جانے سے میں تھک گیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگر موسیٰ کاظم کے پاس قرض مانگنے چلا جاتا تو اس تکلیف سے چھوٹ جاتا۔ میں اس سوچ پر عمل کرتے ہوئے ان کے پاس احد پہاڑ کے قریب واقعہ موضع نقمہ پہنچا۔ آپ میری طرف آئے۔ آپ کے ساتھ ایک غلام بھی تھا۔ اس کے پاس گوشت تھا۔ امام موسیٰ کاظم کے ہاں اس وقت کوئی مہمان نہ تھا۔ لہٰذا میں نے ان کے ساتھ کھانا کھایا پھر انہوں نے مجھ سے میری حاجت کے بارے میں پوچھا۔ میں نے انہیں سارا واقعہ سنا دیا۔ آپ اٹھے، مکان میں تشریف لے گئے۔ جلدی ہی واپس آئے اور غلام سے فرمانے لگے تم ذرا چلے جاؤ۔ غلام کے جانے کے بعد آپ نے اپنا ہاتھ میری طرف لمبا کیا اور ایک تھیلی پھینکی جس میں تین سو دینار تھے۔ پھر اٹھے اور پشت پھیر کر تشریف لے گئے۔ میں بھی اٹھا، اپنی سواری پر سوار ہوا اور اپنی گھر واپس چل پڑا۔

(تاریخ بغداد، جلد ۱۳، ص ۲۸، تذکرہ موسیٰ بن جعفر)

مختصر احوال و فضائل

حضرت سیدنا علی بن موسیٰ کاظم المعروف رضا کاظمؒ

ولادت

حضرت موسیٰ کاظمؒ کے صاحبزادے "علی" ۱۵۳ھ ماہ ربیع الاول میں اپنے دادا امام جعفر صادق کی وفات کے ۳۵ سال بعد مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

نام

آپ کا نام آپ کے والد نے "مامون الرضا" رکھا تھا اس لیے آپ "رضا" کے لقب سے مشہور ہو کر "علی رضا" کے نام سے پکارے جانے لگے۔

والدہ کا نام

آپ کی والدہ کا نام "اروئی" تھا۔ اُن کو ام البنین، نجمہ اور شمانہ کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔

وفات

حضرت علی رضاؒ کی وفات جمعۃ المبارک رمضان المبارک ۲۰۲ھ میں

عراق کے شہر طوس کے علاقے "سناباد" کے مقام پر ہوئی۔ ہارون الرشید کی قبر بھی اسی علاقے میں واقع ہے۔ یہ ہارون الرشید کے قبہ سے مغربی جانب سرائے حمید بن قحبطہ الطائی کا علاقہ ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید کے دور کی ایک کرامت

آپ کی بعض کرامات

خلیفہ مامون الرشید نے آپ کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا۔ اس کے بعد جب بھی آپ اسے ملنے تشریف لاتے تو ملازم سرکار آپ کی آمد پر مامون کے دروازہ پر لٹکے ہوئے پردے اٹھا دیتے تاکہ آپ اندر تشریف لے جائیں۔ یہ معاملہ چلتا رہا۔ حتیٰ کہ کچھ حاسدوں کو یہ برا لگا اور انہوں نے باہم صلاح و مشورہ کیا کہ اگر اب آئیں تو ان کے استقبال کو نہ کوئی کھڑا ہو اور نہ ہی پردہ اٹھایا جائے۔ لیکن جب آپ تشریف لائے تو انہوں نے استقبال بھی کیا اور پردہ بھی اٹھا دیا۔ جب آپ اندر تشریف لے گئے تو ایک دوسرے کو کوسنے لگے۔ پھر باہم طے کیا کہ اگلے روز اپنے فیصلہ پر مضبوطی سے ڈٹے رہیں گے۔ آپ تشریف لائے' انہوں نے کھڑے ہو کر آپ کو سلام تو کیا لیکن پردہ اٹھانے میں لیت و لعل کرنے لگے۔ قبل اس کے کہ وہ پردہ اٹھاتے' اللہ تعالیٰ نے زوردار ہوا بھیجی' جس سے پردہ خود بخود اٹھ گیا اور آپ اندر تشریف لے گئے۔ ہوا بھی بند ہو گئی۔ جب آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو پھر بھی ویسے ہی ہوا چلی۔ پردہ اٹھا اور آپ باہر تشریف لے آئے۔ حاسد یہ دیکھ کر کہنے لگے جسے اللہ تعالیٰ دوست رکھے' اسے کوئی بھی نیچا نہیں دکھا سکتا۔ پھر سے وہ اپنی پہلی روش پر خدمت کرنے لگے۔

("شواہد النبوۃ" ص ۳۴۴' تذکرہ علی بن موسیٰ بن جعفر)

بعض حفاظ سے منقول ہے کہ ایک عورت نے خلیفہ متوکل کے حضور اپنی نسبت سادات سے ظاہر کی۔ متوکل نے اردگرد بیٹھے لوگوں سے پوچھا' کوئی اس کے سید ہونے کی تحقیق کر سکتا ہے تو حضرت امام علی رضا کی طرف لوگوں نے اشارہ کیا۔ متوکل نے انہیں بلوایا۔ جب آپ تشریف لائے تو خلیفہ نے بہت احترام کیا۔ تخت پر بٹھایا' تو پھر اس عورت کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالی نے امام حسینؓ کی اولاد کو درندوں پر حرام کر دیا ہے۔ لہذا کسی سید کو درندہ نہیں کھا سکتا۔ اس عورت کو بھی کسی درندے کے سامنے پیش کیا جائے۔ جب خلیفہ نے اس عورت کو درندے کے سامنے کرنے کا ارادہ کیا تو وہ بول اٹھی کہ میں جھوٹی ہوں۔ کسی نے متوکل سے کہا کہ یہ تجربہ خود علی رضا پر بھی کرنا چاہیے' جنہوں نے یہ تجویز بتائی۔ متوکل نے اس کی بات مانتے ہوئے تین درندے بلوائے۔

جب یہ تینوں محل کے صحن میں لائے گئے اور وہاں کھلے چھوڑ دیے گئے' ادھر متوکل نے امام علی رضا کو بلایا۔ جب آپ صحن میں داخل ہوئے تو دروازہ بند کر دیا گیا۔ امام علی رضا اور درندے ایک ہی جگہ تھے۔ لوگوں نے خاموشی سے شیر کی آواز سنی۔ وہ گرج رہا تھا۔ آپ صحن میں چلتے رہے اور جب سیڑھیوں پر چڑھ کر متوکل کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو وہ درندے بھی آپ کے ساتھ چل دیے۔ اردگرد گھومنے لگے۔ آپ اپنی آستین سے ان کو بہلا پھسلا رہے تھے۔ درندے دروازے کے قریب آ کر رک گئے اور امام علی رضا متوکل کے پاس تشریف لے گئے۔ کچھ دیر اس سے گفتگو فرما کر واپس تشریف لائے اور سیڑھیوں سے اترنے پر وہی درندے پہلے کی طرح آپ کے کپڑوں کے ساتھ چاپلوسی کرنے لگے' ادھر ادھر گھومنے لگے۔ حتی کہ آپ دروازے سے باہر تشریف لائے۔ بعد میں خلیفہ نے آپ کی کرامت سے متاثر ہو کر بہت بڑا نذرانہ پیش خدمت کیا۔ بعد میں متوکل سے کہا گیا کہ جس

طرح تمہارے چچازاد بھائی علی رضا نے کر کے دکھایا ہے' تم بھی ایسا کر کے دکھلاؤ۔ اسے یہ جرات نہ ہوئی اور کہا کہ تم لوگ میرے قتل کا ارادہ کیے ہوئے ہو۔ پھر لوگوں سے کہا کہ اس واقعہ کو زیادہ اچھالنے کی ضرورت نہیں (کیونکہ شاید کچھ کم عقل یہ نہ سمجھیں کہ متوکل نے یہ سب کچھ امام علی رضا کو شہید کروانے کے لیے کیا تھا)۔

("صواعق محرقہ" ص ۲۰۵' تذکرہ امام علی رضا)

آپ کے مرتبہ و مقام کی ایک جھلک

آپ ایک مرتبہ نیشاپور میں گئے اور اس کی گلیوں میں پھر رہے تھے۔ لوگوں نے ایک موٹے کپڑے سے آپ پر سایہ کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے لوگ آپ کی زیارت نہ کر سکتے تھے۔ اتنے میں دو حافظ ایک ابوزرعہ رازی اور دوسرے محمد بن اسلم طوسی مع اپنے بہت سے شاگردوں کے آئے اور آپ کی زیارت کے لیے بڑی منت سماجت کی اور ان کی دلی تمنا تھی کہ آپ سے کوئی ایسی ایک حدیث سماعت کریں جو ان کے آباؤ اجداد سے ان تک پہنچی ہو۔ بہرحال آپ نے اپنے خچر کو روکا اور سایہ کرنے والا کپڑا ہٹا دیا۔ لوگوں نے جی بھر کر زیارت کی۔ آپ کی زلفیں شانوں پر لٹک رہی تھیں۔ کچھ لوگ چیخ رہے تھے' کچھ رو رہے تھے۔ کچھ مٹی میں لوٹ پوٹ اور کچھ آپ کے خچر کے پاؤں چوم رہے تھے۔ علماء نے زوردار آواز سے کہا لوگو! خاموش ہو جاؤ تاکہ دونوں حافظ آپ سے کوئی حدیث لکھوا سکیں۔ خاموشی پر امام علی رضا نے فرمایا مجھے میرے والد موسیٰ کاظم' انہیں ان کے والد زین العابدین' انہیں ان کے والد امام حسینؓ' انہیں ان کے والد علی المرتضیٰؓ' انہیں رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کو جبرئیل امین نے اور جبرئیل کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو بھی ان کلمات کو پڑھے گا' وہ میرے

قلعہ میں داخل ہو جائے گا اور جو میرے قلعہ میں آ گیا' وہ عذاب سے امن میں ہو گیا۔ اس حدیث قدسی کی روایت کرنے کے بعد آپ نے پھر سے پردہ ڈال دیا اور چل پڑے۔ آپ سے اس حدیث پاک کو لکھنے والوں کی تعداد کی گئی تو بیس ہزار کے لگ بھگ تھے۔ ایک اور حدیث کی روایت یوں بھی آپ سے آتی ہے "ایمان" قلب کے لیے معرفت "اقرار" زبان کے لیے اور "عمل" ارکان کے لیے معرفت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں احادیث الگ الگ واقعہ کے پیش نظر ہوں۔ امام احمد کہتے ہیں کہ اگر میں اس حدیث کی اسناد کو پڑھوں تو اسے سن کر "صاحب جنون" تندرست ہو جائے۔

("صواعق محرقہ" ص ۲۰۵' تذکرہ امام علی رضا)

مختصر احوال و فضائل

حضرت سیدنا محمد بن علی المعروف امام تقیؓ

ولادت

امام علی رضاؓ کے صاحبزدے محمد بن علی المعروف امام تقیؓ کی پیدائش ماہ رجب ۱۹۵ھ کو بروز بدھ مدینہ منورہ میں ہوئی۔ یہ خلیفہ معتصم باللہ کا دور تھا۔

نام

محمد اور لقب تقی تھا۔ اسی وجہ سے آپ امام تقی کے نام سے معروف ہوئے۔

والدہ

امام تقی کی والدہ ام ولد تھیں۔ ان کا نام ریحانہ تھا۔ آپ حضرت ماریہ قبطیہ کے خاندان سے تھیں۔

نکاح

آپ کے علم و فضل اور شرافت کے باعث خلیفہ ہارون الرشید کے بیٹے مامون نے اپنی بیٹی ام الفضل آپ کے نکاح میں دے دی تھی۔

نکاح کے بعد آپ مستقل طور پر مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے۔ ہر سال دونوں میاں بیوی کو دو ہزار درہم خلیفہ کی طرف سے ملتا رہا۔

وفات

۲۶ ذوالحجہ ۲۰ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔

۱۲سال کی عمر کا ایک عظیم واقعہ

شواھد النبوۃ میں ہے:

"امام تقی کے والد جناب امام علی رضا کی جب وفات ہوئی تو اس وقت آپ کی عمر ۱۲ سال تھی۔ ایک مرتبہ بغداد کے کوچوں میں اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ اتفاق سے مامون الرشید کا وہاں سے گزر ہوا۔ وہ شکار کھیلنے جا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ماسوائے امام تقی کے سب لڑکے بھاگ نکلے۔ مامون قریب آیا اور پوچھا اے لڑکے! تو بھی دوسرے لڑکوں کی طرح ادھر ادھر کیوں نہ ہوا؟ جواب دیا اے امیرا راستہ تنگ نہیں کہ میں ادھر ادھر ہو کر تمہارے لیے کشادہ کرتا اور میں نے کوئی جرم بھی نہیں کیا کہ بھاگ جاتا۔ مجھے آپ کے بارے میں حسن ظن بھی ہے کہ آپ کسی کو بلاوجہ تنگ نہیں کرتے۔ مامون کو یہ گفتگو بہت بھائی۔ اس نے نام پوچھا فرمایا مجھے محمد کہتے ہیں۔ پوچھا کس کے بیٹے ہو؟ فرمایا علی رضا میرے والد کا نام ہے۔ یہ سن کر مامون بہت خوش ہوا اور اپنا راستہ لیا۔ مامون کے پاس شکاری باز تھے۔ جب وہ شہر سے باہر نکلا تو اس نے ایک باز ایک چکور پر چھوڑا۔ باز نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ کچھ دیر بعد واپس آیا تو اس کی چونچ میں نیم مردہ مچھلی سی تھی۔ یہ دیکھ

کر مامون متعجب ہوا۔ اسے ہاتھ میں لیے واپس آیا۔ جب اسی جگہ پہنچا' جہاں لڑکے کھڑے تھے تو اس دفعہ بھی امام تقی کے سوا دوسرے تمام لڑکے ایک طرف ہٹ گئے۔ مامون نزدیک آیا اور کہا اے محمد! آپ نے لبیک کہی۔ پوچھا بتلاؤ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت کہ وہ سمندر کی چھوٹی سی مچھلی کو خلفاء اور بادشاہوں کے ہاتھ تک جانے سے روک لیتا ہے اور اہل نبوت اس سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ مامون الرشید یہ بات سن کر حیران رہ گیا۔ بہت دیر تک آپ کی طرف دیکھتا رہا اور پھر کہا آپ حقیقتاً ابن رضا ہیں۔ اس کے بعد مامون نے آپ کا مقررہ انعام دو گنا کر دیا"۔

("شواھد النبوۃ" ص ۳۵۵ ' "صواعق محرقہ" ص ۲۰۶)

مختصر احوال و فضائل

حضرت سیدنا علی بن محمد المعروف امام نقیؒ

ولادت حضرت امام محمد المعروف امام تقی کے صاحبزادے سیدنا علی بن محمد المعروف امام نقی کی پیدائش ۱۳ رجب ۲۱۴ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔

والدہ امام نقیؒ کی والدہ کا نام "ثمانہ" تھا۔ یہ ام الفضل بنت مامون کی لونڈی تھی۔ امام نقی کا لقب ھادی اور عسکری مشہور ہے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی۔ امام نقی بھی اپنے اجداد کی طرح خدا ترس اور ولایت و ریاضت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ خاندان نبوت کے یہ چشم و چراغ عمر بھر اپنے جد بزرگوار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے فروغ میں مصروف رہے۔

وفات امام نقی کی وفات ۲۵۴ھ جمادی الآخر (دوشنبہ) کو عراق کے ایک علاقے "سرمن رائی" میں ہوئی۔ یہ علاقہ آپ کی ذاتی ملکیت تھا۔

(از "شواھد النبوۃ" ص ۲۵۸)

آپ کی زندگی کا زیادہ حصہ مدینہ منورہ میں گزرا تھا۔ آپ پر زھد اور ترک دنیا کا غلبہ تھا۔ خلیفہ متوکل جو اپنے دور کا طاقت ور حکمران تھا اس نے آپ کو بیشتر مراعات اور سہولتوں سے نوازا تھا۔ علاقہ بھر میں آپ مرجع خلائق تھے۔ آپ کی مقبولیت سے حکمران طبقہ سخت پریشان تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح "امام نقی" کو پریشان کیا جائے۔

امام نقی کی عجیب و غریب کرامت

متوکل کے پاس ہندوستان سے ایک شعبدہ باز آیا ہوا تھا۔ ایک دن متوکل نے اسے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے فن سے امام ہادی کو لوگوں کے سامنے شرمندہ کرو۔ اگر ایسا کر سکو تو ایک ہزار دینار انعام ملے گا۔ اس نے کہا منظور ہے۔ چھوٹی چھوٹی چند روٹیاں لائیں جائیں۔ وہ دسترخوان پر رکھی جائیں اور امام تقی کو اس دسترخوان پر جہاں بٹھایا جائے' مجھے ان کے پہلو میں جگہ دی جائے۔ پھر دیکھنا کیا تماشا بنتا ہے۔ متوکل نے یہ سب کچھ مہیا کر دیا۔ دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد کھانا کھانے کی اجازت دی گئی۔ جب امام نے روٹیوں کی طرف ہاتھ بڑھائے تو روٹی ان سے دور ہو جاتی۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا اور حاضرین خوب ہنسے۔ اتفاق سے اسی جگہ ایک قالین بچھا ہوا تھا۔ اس پر شیر کی تصویر بنائی گئی تھی۔ امام ہادی نے اس تصویر کو حکم دیا کہ اس شعبدہ باز کو پکڑ لو۔ وہ تصویر صحیح شیر بن کر شعبدہ باز پر لپکی اور پکڑ کر اسے زمین میں گاڑ دیا۔ پھر وہ اسی قالین پر واپس کندہ ہو گئی۔ موکل نے ہر چند درخواست کی کہ حضور! اس کو زمین سے نکال دیں۔ مگر آپ نے نہ مانی بلکہ فرمایا بخدا! تم اس شعبدہ باز کو کبھی بھی نہ دیکھو گے۔ وہ مجلس سے باہر آیا اور آئندہ وہ شعبدہ باز کبھی نظر نہ آیا۔

("شواھد النبوۃ" ص ۳۶۲' تذکرہ امام علی تقی)

امام تقی کی سخاوت وفیاضی اور خدا ترسی کا عظیم واقعہ

ایک مرتبہ سر من رائے کے کسی گاؤں میں آپ قیام پذیر تھے۔ ایک اعرابی وہیں چلا گیا۔ آپ سے ملاقات ہوئی۔ آنے کی وجہ پوچھی۔ کہنے لگا میں آپ کے جد امجد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے قلبی لگاؤ رکھتا ہوں۔ میں بہت بڑے قرضے کے نیچے دب کر رہ گیا ہوں۔ آپ کے سوا میری یہ مشکل

کوئی دوسرا حل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا کچھ کیجئے۔ فرمایا گھبراؤ نہیں۔ صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا میں تمہیں کچھ باتیں کہتا ہوں۔ ان کو غور سے سنو اور ان کی مخالفت نہ کرنا۔ اعرابی کہنے لگا میں آپ کے ارشادات کی کیسے مخالفت کر سکتا ہوں۔ آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے ایک تحریر لکھی۔ مضمون یہ تھا کہ اس اعرابی کو اتنے پیسے دے دو جو اس کے قرض سے زیادہ ہوں۔ کیونکہ یہ مقروض ہے۔ یہ رقعہ دے کر فرمایا اسے لے جاؤ اور میں جب سر من رائے میں واپس آؤں تو میرے پاس آنا اور مجھ سے قرض کا مطالبہ کرنا بلکہ کچھ گرم سرد باتیں بھی کہہ دینا۔ دیکھو میری نصیحت کی مخالفت نہ ہونے پائے۔ اعرابی نے وعدہ کیا اور خط ہاتھ میں لیے واپس آگیا۔ جب امام واپس سر من رائے تشریف لائے' آپ کے اردگرد آپ کے جانثاروں اور دوستوں کا مجمع تھا۔ یہ اعرابی بھی آگیا اور اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔ ساتھ ہی وہ رقعہ بھی ان کے حوالہ کر دیا۔ آپ اس کے مطالبہ کے جواب میں نرم نرم گفتگو فرماتے اور اظہار معذوری بھی کرتے اور ادائیگی کا وعدہ بھی فرماتے۔ جب اس واقعہ کی خبر خلیفہ متوکل کو ملی تو اس نے تیس ہزار درہم بھیجے۔ آپ نے یہ تمام درہم اس اعرابی کو دیئے اور فرمایا ان میں سے جو قرض ہے' وہ ادا کرو اور باقی سنبھال کر رکھو۔ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو اور مجھے معذوری خیال کرنا۔ اعرابی کہنے لگا اے فرزند رسول! خدا کی قسم! آپ نے جو مرحمت فرمایا' مجھے تو اس سے تین حصے کم کی امید تھی۔ سچ ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ فلاں چیز کہاں جاتی ہے۔

("شواہد النبوۃ" ص ۳۵۹ تذکرہ امام علی تقی)

مختصر احوال و فضائل

حضرت سیدنا حسن بن علی المعروف امام حسن عسکری ؓ

ولادت حضرت علی بن محمد المعروف امام نقی ؓ کے صاحبزادے "سیدنا حسن عسکری ؓ" کی ولادت ۲۳۱ھ مدینہ منورہ میں ہوئی۔

والدہ کا نام

آپ کی والدہ کا نام "سوسن" تھا۔ یہ ام ولد تھیں۔ ان کا نام حدیث میں بھی آیا ہے۔ آپ بھی اپنے والد کی طرح "عسکری" کے لقب سے مشہور تھے۔ خالص 'سراج' اور حادی بھی آپ کے القاب میں شامل ھیں۔

وفات

سیدنا امام حسن عسکری ؓ کی وفات ۲۶۰ھ میں سرمن رائی کے علاقہ میں ہوئی۔ آپ اپنے والد امام نقی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

نکاح

آپ کا نکاح نرجس نامی ایک خاتون سے ہوا جو ایران سے قید ہو کر لائی گئی تھی۔

آپ کی کرامات کا تذکرہ

محمد بن علی بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر بیان کرتے ہیں کہ میں بہت تنگ دست تھا۔ میرے والد نے مجھے ان کی خدمت میں بھیجا۔ کیونکہ آپ سخاوت میں مشہور زمانہ تھے۔ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟ فرمانے لگے نہ جانتا ہوں اور نہ ہی آج تک انہیں دیکھنے کی سعادت میسر آئی۔ چنانچہ ہم سفر پر نکلے۔ میرے والد نے راستہ میں مجھ سے کہا اگر امام نے ہمیں پانچ صد درہم عطا کیے تو میں دو صد درہم کے کپڑے' دو صد کا کھانے پینے کا سامان اور ایک سو کی دوسری اشیائے خوردنی لوں گا۔

میں نے کہا اگر انہوں نے مجھے تین سو درہم دیے تو میں ایک سو کا کپڑا' ایک سو کا آٹا دانا اور سو کا گدھا خرید کر کوہستان کی طرف نکل جاؤں گا۔ بہرحال ہم آپ کے در دولت پر حاضر ہوئے۔ ابھی اپنی ضرورت کے متعلق کوئی بات بھی نہ کی تھی کہ آپ کا ایک غلام آیا اور کہنے لگا علی بن ابراہیم اور اس کا بیٹا اندر آ جائیں۔ ہم اندر آ گئے۔ امام عسکری کو سلام کیا۔ آپ نے پوچھا اے علی! اب تک تم میرے پاس آنے سے کیوں رکے رہے۔ میرے والد نے کہا حضور! مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس غربت و تنگدستی کی حالت میں آپ کے پاس آؤں۔ ہم باہر آئے تو آپ کا ایک غلام ہمارے پیچھے پیچھے آیا اور اس نے ایک تھیلی جس میں پانچ سو درہم تھے' میرے والد کو دی اور کہا کہ امام نے فرمایا ہے اس میں سے دو صد کے کپڑے' دو سو کا آٹا دانا اور ایک سو کی دوسری خوردنی اشیاء خرید لیں۔ پھر اس غلام نے ایک اور تھیلی مجھے دی۔ اس میں تین سو درہم تھے اور کہا کہ ایک سو کا آٹا' ایک سو کے کپڑے اور تیسرے سو کا گدھا خرید لینا لیکن کوہستان کا سفر نہ کرنا۔ کہیں اور چلے جانا۔ اس جگہ کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔ میں وہاں گیا' شادی کر لی اور اسی دن مجھے دو ہزار درہم ہاتھ آئے۔

("شواھد النبوۃ" ص ۳۶۳' تذکرہ امام حسن عسکریؓ)

غنااور مالداری کاواقع

محمد بن حمزہ دوری سے مروی ہے کہ میں نے ابو ہاشم داؤد بن قاسم کے ہاتھ ایک خط امام حسن عسکری کو بھیجا۔ ابو ہاشم آپ کا گہرا دوست تھا۔ میں نے لکھا تھا کہ میرے حق میں دعا کرائی جائے کہ میں امیر ہو جاؤں۔ کیونکہ میری حالت بڑی تنگ تھی اور رسوائی کا خطرہ تھا۔ آپ نے ابو ہاشم کے ہاتھ ہی جواب دیا اور لکھا کہ خوش ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے غنا لکھ دی ہے۔ تمہارا چچازاد بھائی یحیی بن حمزہ فوت ہو گیا۔ اس نے ایک لاکھ درہم بطور ترکہ چھوڑا ہے اور تمہارے بغیر اس کا کوئی وارث نہیں ہے۔ یہ مال عنقریب تمہیں مل جائے گا۔ اس لیے اللہ کا شکر بجا لاؤ۔ ضرورت کے مطابق خرچ کرنا' اسراف سے بچنا اور اللہ تعالیٰ کا حق بھی اس سے ادا کرنا۔ جب وہ رقم مجھے ملی تو میں نے اپنے بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا اور باقی رقم محفوظ رکھ لی اور فضول خرچی چھوڑ دی۔

("نور الابصار" ص ۱۰۳)

حضرت علیؓ اور آپ کی اولاد کے دس بزرگوں کے بعد

بارھویں امام کی بحث اور مسلم نقطہ نظر

آپ نے گزشتہ اوراق میں حضرت علی اور آپ کی اولاد کے دس بزرگوں کے مختصر حالات ملاحظہ کیے۔

اس کتاب کے پہلے باب میں بتایا جاچکا ہے کہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر حضرت علیؓ کی اولاد کے تمام بزرگوں سے عقیدہ و محبت اور گہرے انس و پیار کا نظریہ رکھتے ہیں۔

شیعہ نے ان بزرگوں کے حالات بیان کرتے ہوئے کئی ایسی باتیں بھی ان کی طرف منسوب کی ہیں' جو ان کی تعلیمات سے سراسر متصادم ہیں۔

اسی طرح گیارہ بزرگوں کے بعد شیعہ نے حضرت سیدنا حسن عسکریؒ کے ایک چار سالہ بچے کا ذکر کیا ہے' اس کے بارے میں یہ عقیدہ گھڑا گیا ہے کہ وہ سرمن رائے کی ایک غار میں اپنے والد کی وفات (۲۶۰ھ) سے ۴ سال قبل چار سال ہی کی عمر میں غائب ہوگیا تھا۔ یہی بچہ "امام مھدی" کے نام سے قرب قیامت میں ظاہر ہوگا۔ شیعہ لوگ اسی کو بارھواں امام اور "القائم"' "قائم الزمان"' "الحجہ" نامعلوم کس کس لقب سے پکارتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں دنیا کے تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جس "امام مھدی" نے قرب قیامت میں ظاہر ہوکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معاونت کے ذریعے آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کے مشن کو آگے بڑھانا ہے' ان کا نام "محمد المھدی" ہوگا۔ وہ ۱۴۰۰ سو سال پہلے غائب ہونے کی بجائے

قرب قیامت میں مدینہ منورہ میں ایک بستی میں پیدا ہوں گے۔ ۴۰ سال کی عمر میں ان کا مکہ مکرمہ میں ظہور ہو گا۔ جب کہ شیعہ کے ہاں ان کی عمر ۱۲۰۰ سو سال سے بھی زیادہ ہو گی اور عراق کی ایک غار سر من رائے سے ظاہر ہوں گے۔ امام محمد المہدی علیہ الرضوان کی آمد کے بارے میں شیعہ اور مسلمانوں کا نقطہ نظر یکسر جدا ہے۔

اس کی تفصیل راقم کی "امام محمد مہدی کے بارے میں شیعہ اور مسلمانوں کے نظریات" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

شیعہ نے عقیدہ ظہور امام مہدی کے عنوان پر عقل و انصاف اور تاریخ و روایات کے بالکل برعکس ایسا نقطہ نظر اپنایا ہے کہ دنیا کا کوئی مسلمان جس کی تائید نہیں کرتا۔ آنحضرت ﷺ کے خاندان اور حضرت علیؓ کی اولاد کے آئمہ اور بزرگوں کی عظمت کا اقرار کرنے والا آپ کے بارھویں بیٹے کی عظمت کا انکار کیونکر کر سکتا ہے۔ اس کی وجوہات میں شیعہ کے وہ من گھڑت نظریات ہیں جو انہوں نے حضرت حسن عسکری کے فرزند کی طرف منسوب کیے ہیں۔

اول یہ کہ بارھواں امام جب ظاہر ہو گا تو سب سے پہلے:

۱۔ اہل سنت کے مشائخ اور علماء کا قتل عام کرے گا۔ (از جلاء العیون)

۲۔ آنحضرت ﷺ کے روضہ اقدس کو گرا کر ابوبکر و عمر کو روضہ سے نکال کر ان کی لاشوں کو درختوں پر لٹکائے گا۔ (از حق الیقین)

۳۔ خانہ کعبہ کو ڈھا دے گا۔

۴۔ حضرت عائشہؓ کو قبر سے نکال کر ان پر حد جاری کرے گا۔ وغیرہ وغیرہ

ایسے ایسے بے بنیاد خیالات اور من گھڑت نظریات کی کس طرح تائید کی جا سکتی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت محمد المہدی کے بارے

میں مسلمانوں اور شیعہ کے نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حضرت حسن عسکری کے جس صاحبزادے کو اپنا بارھواں قرار دے کر "امام مهدی" کے لیے منتخب کرتے ہیں۔ مسلمان اس "مهدی" کے قائل نہیں۔

آنحضرت ﷺ کی ۶۳ سے زائد احادیث میں جس امام مهدی کے ظہور کی خبر دی گئی ہے' اس کا نام محمد' والد کا نام عبداللہ اور اس کی والدہ کا نام آمنہ ہو گا جب کہ شیعہ کے ہاں امام مهدی کے والدین کا نام ہی دوسرا ہے۔ اس صورت میں امام مهدی کے بارے میں شیعہ اور مسلمانوں کے تصور کی یکسانیت کا قول حقائق سے عدم واقفیت کی دلیل ہے۔ راقم کے خیال میں ظہور امام کے بارے میں شیعہ اور مسلمانوں کے نقطہ نظر کا تفاوت یہ واضح کر رہا ہے کہ ظہور مهدی کے بارے میں اگرچہ شیعہ اور مسلمان یک زبان ہیں' لیکن اس کا خاکہ اور تصور یکسر جدا ہے۔ مسلمان امام محمد مهدی علیہ الرضوان کا جو تصور آنحضرت ﷺ کے فرامین کی روشنی میں پیش کرتے ہیں' اس میں صحیح او مرفوع احادیث بھی اس کی تائید میں موجود ہیں۔ ہر مسلمان جس حضرت محمد المهدی کو اپنے عقیدہ اور محبت کا مرکز قرار دیتا ہے۔ اس سے مراد وہی امام محمد المهدی ہیں' جن کی تصریح پر کئی درجن صحیح روایات موجود ہیں۔

شیعہ کا تصور امام مهدی اسلام کی پوری تعلیمات سے متصادم ہیں۔ شیعی تصور نے حضرت علی اور آپ کی اولاد کی تعلیمات اور افکار سے کھلے طور پر انحراف کیا ہے۔

حضرت علیؓ' حضرت حسن' حضرت حسین اور امام جعفر وغیرہ کی طرف سے تو حضرت ابو بکر و عمرؓ کی عظمت کے نغمے سرائے گئے ہوں اور آپ ہی کی اولاد کے ایک بزرگ جسے بارھواں امام کہا گیا ہو' اس کے بارے میں یہ بات مشہور کی گئی ہو کہ وہ پہلے ۱۴۰۰ سال سے غائب ہوں' پھر وہ اصلی قرآن بھی ساتھ رکھتے ہوں' پھر ظہور کے بعد ان کی طرف سے حضرت ابو بکر و عمرؓ کو

روضے سے نکال کر سولی پر چڑھانے کا عقیدہ تحریر کیا گیا ہو۔ کہاں حضرت علیؑ کی تعلیمات اور کہاں ان کے فرزند کی طرف منسوب "مشن؟" بارھویں امام کے شیعی تصور کی تائید نہ عقل سے ہوتی ہے، نہ کسی صحیح حدیث سے اس کا ثبوت میسر آیا ہے۔ ١٤٠٠ سو سال میں مسلمانوں کا کوئی مکتب فکر باہمی فروعی اختلافات کے باوجود اسے جعلی اور بے بنیاد نظریے کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔

تیسرا باب

شیعہ کا اپنے ائمہ کی تعلیمات اور ان کے عقائد سے انحراف

یہ بات بھی عجائبات عالم میں داخل ہے کہ دنیا میں ایک ایسا گروہ بھی ہے جس نے اپنے مذہب کی بنیاد جن ۱۲ ائمہ پر رکھی ہے، کو ان کا طرز عمل، نظریات، اعمال و افعال کی ایک چیز بھی ان کی ان ائمہ اور پیشواؤں سے نہیں ملتی۔ مثلاً مسلمانوں کے ہاں آنحضرت ﷺ کی مقدس شخصیت کائنات کی سب سے بزرگ اور برگزیدہ ہستی ہے۔ آپ کا کلمہ مسلمانوں کے ایمان کی بنیاد ہے اگر مسلمان بھی ایسا کلمہ پڑھیں جو آنحضرت ﷺ سے منقول نہ ہو، یا وہ ایسی مقدس کتاب کی تلاوت کریں جو ان کے پیغمبر ﷺ پر نہ اتری ہو، یا ایسے نصب العین پر عمل پیرا ہوں جو ان کے رسول ﷺ سے دور کا بھی واسطہ نہ رکھتا ہو، اسے بھی عجوبہ ہی کہا جائے گا۔

ہر ذی عقل اسے بدترین مذاق ہی قرار دے گا یا ایسے لوگوں کو پاگلوں اور احمقوں کا گروہ قرار دے گا جو اپنے قول و فعل کے تضاد اور عقیدہ و عمل کے تفاوت میں ید طولیٰ رکھتے ہو، جس کی کوئی بات قابل اعتبار نہ ہو، جو ہندوؤں کی طرح ایسا عقیدہ رکھتا ہو جس کے مطابق ان کی مقدس کتاب "وید" کو ماننے والا بھی ہندو ہو اور نہ ماننے والا بھی ہندو ہو۔ عقائد و نظریات کے باب میں ایسی بوقلمونی اور ایسا واضح تضاد تاریخ کے کسی گوشے میں نظر نہیں آتا۔ شیعہ مذہب سے ناواقف انسان کبھی بھی اس کے تضادات سے شناسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ تاریخ شیعہ اور عقائد شیعہ کا مطالعہ کرنے والا

اس وقت حیرت و استعجاب کی گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے جب اس پر اس عجیب و غریب مذہب کے فریب کا پردہ چاک ہوتا ہے۔ جب ایک انسان یہ دیکھتا ہے آنحضرت ﷺ اور آپ کی اولاد کے ایک درجن کے قریب صالح بزرگوں کے نام پر قائم ہونے والا مذہب کلمہ طیبہ کے دو جز لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ خلیفتہ بلا فصل کا اضافہ کرتا ہے اور حقائق کے مطابق آنحضرت ﷺ اور ان کے ایک درجن بزرگوں کے تصور خیال میں بھی اس وقت یہ اضافہ نہ تھا اور جو کتاب آنحضرت ﷺ پر اتری اس کی آیات ۶۶۶۶ ہوں اور یہ گروہ سترہ آیات والے قرآن کا دعوے دار ہے اور آنحضرت ﷺ کے خلفاء اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو خود آنحضرت ﷺ نے اپنی مسند پر کھڑا کیا' جس جماعت کی عظمت کے ترانے قرآن اور صاحب قرآن نے گائے جن کی عظمت و تقدس ۱۲ بزرگوں نے سال کے ہر دن اور ہر موڑ پر آشکار کیا' جن کی ثناخوانی ان بارہ بزرگوں کے مکتوبات' خطبات' فرمودات اور قرابت داریوں میں ہر جگہ آویزاں ہے' اور اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء راشدین کی شان میں آنے والے تمام خطبات اس شیعہ مذہب کی کئی دینی کتب میں تاحال موجود ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہر عہد کا شیعہ عالم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء راشدین کو کافر و مرتد تحریر کرتا ہو' آنحضرت ﷺ کی مقدس ازواج مطہرات (اہل بیت) کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا جنہوں نے اپنا ایمان قرار دیا ہو' ایسے فریب دینے اور کھانے والے لوگ دنیا کے کسی اور مذہب یا خطے میں کہاں ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں' صاحبزادوں' نواسوں' نواسیوں اور آپ ان کی اولاد کے تمام بزرگ پوری امت کے نزدیک مقدس اور برتر ہستیاں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی اولاد و احفاد کا ہر فرد

قابل احترام ہے۔

آنحضرت ﷺ کے داماد اور چچا زاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ، ان کے صاحبزادگان حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اگلی اولاد حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ، حضرت باقرؒ، حضرت جعفر صادقؒ، حضرت موسیٰ کاظمؒ، حضرت رضا کاظمؒ، حضرت تقی علیؒ، حضرت نقی علیؒ، حضرت حسن عسکریؒ یہ تمام حضرات اپنے اپنے دور کے منفرد اور یکتائے روزگار پیشوا اور مقتداء ہیں۔ ان کا مقام و مرتبہ ہدایت و اصلاح کے باب میں اوج ثریا تک پہنچا ہوا ہے۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ ان اساطین امت کی طرف شیعہ راویوں نے ان کی وفات کے ۳۰۰ سو سال کے بعد جو اقوال منسوب کیے وہ ان کی تعلیمات اور افکار سے یکسر مختلف ہیں۔ ائمہ ہدایت کی طرف من گھڑت باتوں اور بے بنیاد روایات کے گھڑنے میں شیعہ راویوں نے ایسا ایسا کمال دکھایا کہ پورا ایک مذہب معرض شہود میں لے آئے۔ دفتروں کے دفتر اور دیوانوں کے دیوان لکھ مارے، من گھڑت اور موضوع روایات پر اوراق کے اوراق سیاہ کر کے محمدی شریعت کی تصویر بدل کر رکھ دی۔ قرآن و حدیث کے سچے موتیوں کے مقابلے میں کذب و افترا کے غلیظ چیتھڑوں سے اسلامی شریعت کا دامن آلود کر ڈالا۔ ائمہ ہدایت کی وہ سچی تعلیمات جو ان کے اپنے دور سے منقول ہو کر آج تک چلی آ رہی ہیں صرف تین سو سال بعد پہلی تعلیم کے بالکل برعکس ایسے ایسے مضامین گھڑ کر ان کی طرف ایسے سلیقے سے منسوب کیے کہ سچائی کو فریب کے پردوں میں چھپا دیا گیا۔ یہودیت کی کوکھ سے جنم لینے والی شیعیت عہد عثمانی میں جس صورت میں ظاہر ہوئی تھی ڈھائی تین سو سال بعد رواہ کی ہوشیاری، ایرانی حسن بن صباح کی مکاری اور دغابازی سے اسلام کا شفاف چہرہ ضلالت و غوایت اور کذب و فریب سے گدلا پڑ گیا۔

ہم اپنی ان سطور کی تائید کے لیے عصر حاضر کے ایک عراقی شیعہ عالم

ڈاکٹر موسیٰ موسوی (جو جامع مسجد نجف اشرف کے خطیب کے صاحبزادے ہیں) کی ان کی تصریحات کو ان کی کتاب "الاصلاح الشیعہ" سے نقل کرتے ہیں جنہوں نے شیعہ کے اپنے مذہب سے انحراف، ائمہ کی طرف غلط روایات کے منسوب کرنے کے خلاف چیخ چیخ کر واویلا کیا ہے۔

ڈاکٹر موسیٰ موسوی کی تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ شیعہ مذہب میں ۳۰۱ھ کے عہد انحراف کے بعد جو تبدیلیاں ہوئیں وہ غیر اسلامی افکار کی آمیزش کا واضح نمونہ ہیں۔

منصف مزاج شیعہ عالم کی کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

ڈاکٹر موسیٰ موسوی کی طرف شیعہ مذہب کا تعارف

شیعہ عالم دین کا کھلا اعتراف

شیعہ کے ابتدائی عقائد کے بارے میں شیعہ عالم کی تحریر پر مشتمل مستقل باب

"ائمہ شیعہ عباسی خلفاء کے عہد میں مسلمانوں کے ہاں بڑی عزت و احترام سے بہرہ ور تھے۔ ایسے ہی خلافت کے بارے میں ان کے زیادہ اور اولیں حقدار ہونے کا تصور بھی بعض لوگوں میں پایا جاتا تھا۔ سو اگر عام مسلمانوں کی رائے یہ نہ ہوتی کہ اہل بیت خلافت کے زیادہ حقدار ہیں عباسی، امام علی الرضا کو اپنا ولی عہد منتخب نہ کرتا یہ الگ بات ہے کہ علی الرضا مامون ہی کے زمانے میں وفات پا گئے اور خلافت بنو عباس ہی میں رہ گئی اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام علیؓ اور ان کے اہل بیت کی جماعت کا رجحان جو اس وقت کے اسلامی معاشرہ میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا رہا اس کے پرجوش حامی

تھے۔ ان تمام مقدمات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ تشیع کے افکار ہجرت کے بعد پہلی تین صدیوں میں موجود تھے اس دور کے شیعی افکار کا خلاصہ درج ذیل چند نکات میں منحصر ہے۔

اولاً: یہ کہ حضرت علیؓ اوروں کی نسبت خلافت کے زیادہ حق دار تھے، لیکن مسلمانوں اور خود حضرت علیؓ نے خلفاء راشدین کی بیعت کر لی پھر حضرت عثمانؓ کے بعد مسلمانوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی، سو حضرت ابوبکرؓ سے لے کر حضرت علیؓ تک تمام خلفاء راشدین کی خلافت کے شرعاً درست ہونے میں اب کوئی شک و شبہ نہیں۔

ثانیاً: امویوں کے لیے اظہار عداوت جو حضرت امیر معاویہؓ کے حضرت علیؓ کے بارے میں موقف، حادثۂ کربلا میں حضرت حسینؓ کے قتل، زمام اقتدار خلیفہ اموی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ہاتھ آنے تک تقریباً پچاس برس تک اموی خلفاء کے بر سر منبر حضرت علیؓ کو برا بھلا کہنے کی وجہ سے تھا، خلیفہ اموی عمر بن عبد العزیزؒ نے حضرت علیؓ کے خلاف زبان درازی سے منع کر دیا تھا۔

ثالثاً: شرعی احکام اور فقہی مسائل میں اہل بیت کو مرجع سمجھنا۔

رابعاً: اہل بیت عموماً اور حضرت حسینؓ کی اولاد میں سے آئمہ کرام خصوصاً امویوں اور عباسیوں کی نسبت خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔

ابتداء میں یہی چار نقطے شیعہ مذہب کی بنیاد تھے

سن ۳۲۹ ہجری میں امام مہدی کی غیبت کبری کے باقاعدہ اعلان کے بعد شیعی فکر میں چند عجیب و غریب امور در آئے جو شیعہ اور تشیع کے درمیان اختلاف کا نقطہ آغاز ثابت ہوئے، دوسرے لفظوں میں ان کو عہد انحراف کا آغاز بھی کہا جا سکتا ہے۔

فکری انحراف کے بارے میں ان امور میں سے اولین امر ان آرا کا

ظہور تھا کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد خلافت حضرت علیؓ کا حق تھا اور یہ حق نص الٰہی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ چند کے علاوہ باقی صحابہ رسول نے ابو بکرؓ کو خلیفہ مقرر کر کے اس کی مخالفت کی جیسا کہ اس زمانے میں چند دیگر آراء کا ظہور ہوا جن کا منشاء یہ تھا کہ تکمیل اسلام کے لیے ایمان بالامامت ضروری ہے حتیٰ کہ بعض شیعہ علماء نے تین اصول دین 'توحید' نبوت' اور معاد کے ساتھ امامت اور عدل کا اضافہ بھی کر دیا۔ (یہیں سے شیعہ اور مسلمانوں کے اصول دین تبدیل ہو گئے۔۔ از مؤلف) جب کہ بعض دوسرے علماء کا خیال تھا کہ یہ عقیدہ (امامت و عدل) اصول دین میں سے نہیں بلکہ اصول مذہب میں سے ہے اور کچھ ایسی روایات سامنے آئیں جنہیں ائمہ شیعہ سے نقل کیا جاتا ہے اور ان میں خلفاء راشدین اور بعض ازواج مطہرات پر طعن و تشنیع ہوتی ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ "غیبت کبریٰ" کے بعد اچانک اسلامی معاشرے میں جو چند عجیب و غریب آراء شہرت پذیر ہوئیں' ان کا ہمیں حضرت علیؓ اور اہل بیت کے حواریوں میں کہیں بھی پتہ نہیں چلتا ہے قتل حسینؓ کے بعد جب اس کا انتقام لینے کے لیے شورشیں ظاہر ہو رہی تھیں' ایسے ہی ان ادوار میں جب کہ شیعیت کی تند و تیز آندھی خلافت امویہ کی کمر توڑ کر خلافت عباسیہ کے لیے راہ ہموار کر رہی تھی۔

تقیہ کا عقیدہ بعد میں گھڑا گیا

ان آراء کی نشر و اشاعت اور انہیں سادہ لوح فرزندان شیعہ کی عقلوں میں راسخ کرنے میں شیعہ مذہب کے بعض علماء اور رواۃ نے اپنا کردار ادا کیا اور اس زمانہ میں تقیہ کا تصور عام ہوا جو شیعہ کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ جو کچھ دل میں ہو اس کے برعکس ظاہر کریں۔ ان نوپید عقائد کو عام

لوگوں میں پھیلے نیز سخت گیر حکمرانوں کی گرفت سے محفوظ کرنے کے لیے انہیں چھپائے رکھنا ضروری تھا۔ شیعہ رواۃ نے ان عجیب و غریب روایات کو عموماً آئمہ شیعہ اور خصوصاً امام باقرؒ اور صادقؒ کی طرف منسوب کیا تاکہ ان نامانوس آراء کے لیے دینی بنیاد مہیا ہو جائے اور ان میں کسی قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرنے کا جواز باقی نہ رہے

عصمت آئمہ کا عقیدہ بھی خود ساختہ ہے

ان روایات کی صحت ثابت کرنے' ان کے مضامین پر غور کیے بغیر ہوں کا توں قبول کرانے کے لیے اس زمانہ میں ائمہ شیعہ کی عصمت کا نظریہ قائم ہوا تاکہ ان انوکھی روایات میں سے کچھ کو مزید تقدس مہیا ہو جائے اور وہ ہر قسم کے بحث و جدل اور مناقشہ و اعتراض سے بالاتر قرار پائیں اور اس طرح انہیں ایک اور مضبوط بنیاد مہیا ہو جائے۔ شیعہ مذہب کی ترتیب و تدوین کے ساتھ براہ راست تعلق رکھنے والی ان نامانوس اور خانہ ساز آراء میں سے ہر ایک کا ذکر ہم نے مستقل فصل میں کیا ہے۔ ان فصول میں ہم ان آراء کا تجزیہ کریں گے۔ اب ہم بحث خلافت و امامت کی طرف لوٹتے ہیں تاکہ ان تبدیلیوں کا جائزہ لے سکیں جو شیعہ مذہب کے علماء و رواۃ نے غیبت کبریٰ کے بعد کی ہیں۔

شیعہ راویوں کے کذب و افترا کا اقرار

چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے دوران شیعہ علماء نے جو کتابیں لکھی ہیں ان میں شیعہ راویوں کے واسطے سے آنیوالی روایات میں انصاف کے ساتھ مسلسل غور کرنے والا شخص اس نہایت تکلیف دہ نتیجہ تک پہنچے گا کہ بعض شیعہ راویوں نے اسلام کو بدنام کرنے کے لیے جو جدوجہد کی ہے'

یقیناً وہ آسمان و زمین کے برابر بوجھل ہے۔

اسلام کو بدنام کرنے کی سازش کا اقرار شیعہ ہونے کے باوجود

مجھے تو یہ خیال آتا ہے کہ ان لوگوں کا مقصد ان روایات سے لوگوں کے دلوں میں شیعہ عقائد راسخ کرنا نہیں تھا بلکہ ان لوگوں کا مقصد اسلام اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہر چیز کو بدنام کرنا تھا' اور جب ہم ان روایات پر گہری نظر ڈالتے ہیں جو ان لوگوں نے ائمہ شیعہ سے روایت کیں اور ان بحثوں پر جو خلافت کے موضوع پر اور تمام اصحاب رسول پر نکتہ چینی پر انہوں نے پھیلائیں اور عصر رسالت اور اسلامی معاشرے کو جو نبوت کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہا تھا تہ و بالا کرنے کے لیے پھیلائیں تاکہ یہ ثابت کر سکیں کہ حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت خلافت کے زیادہ حق دار تھے اور یہ کہ وہ عظمت شان اور علو مرتبت کے حامل تھے' تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان راویوں نے' اللہ انہیں معاف کرے' حضرت امام علیؓ اور ان کے اہل بیت کے ساتھ اس سے بھی بڑھ کر بدسلوکی کی ہے جو انہوں نے خلفاء اور صحابہ کے بارے میں روایات بیان کر کے کی ہے اور اس طرح ان کی ہر چیز کو غلط انداز میں پیش کرنے کی ابتداء اہل بیت سے ہوئی ہے۔ اس طرح ابتداء اہل بیت اور بالآخر صحابہ کرامؓ سے متعلق کسی بھی چیز کو غلط انداز میں پیش کرنے کا اثر رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کے عہد مبارک پر جا پڑتا ہے۔

حب اہل بیت کے پردے میں اسلام کی عمارت کو گرایا گیا

اس مقام پر مجھ پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور میں حیرت میں گم ہو جاتا ہوں اور میرے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے' کیا ان شیعہ راویوں اور محدثین نے اہل بیت کی محبت' کے پردے میں اسلام کی عمارت گرانے کی ذمہ

داری اپنے کندھوں پر اٹھائی ہے؟ ان روایات سے وہ کیا چاہتے ہیں؟ جو انہوں نے ائمہ شیعہ کی طرف منسوب کی ہیں جب کہ وہ اساطین اسلام اور فقہاء اہل بیت تھے۔ آئمہ کی طرف منسوب ان روایات سے کیا مقصود ہے جب کہ وہ امام علیؓ اور ائمہ اہل بیتؑ کی سیرت کے منافی ہیں اور ان میں سے بہت روایات عقل رسا اور فطرت سلیم سے بھی متصادم ہیں۔

اور مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شیعہ رواۃ و محدثین اور ان کے فقہا شیعہ ائمہ شیعہ کے بارے میں بدزبانی اور ان کے نام پر روایات وضع کرنے میں اس وقت بہت آگے نکل گئے جب رسمی طور پر امام کی "غیبت کبریٰ" کا اعلان کر دیا گیا۔ امام مہدی سے ان کا قول منقول ہے:

"من ادعی رویتی بعد الیوم فکذبوہ"

"آج کے بعد جو شخص مجھے دیکھنے کا دعویٰ کرے اسے جھوٹا سمجھو"

اس طرح وہ تمام راستے بند کر دیے گئے جن کے ذریعے امام سے رابطہ قائم کیا جا سکتا اور اس کی طرف نیز اس کے آباؤ اجداد میں سے آئمہ کرام کی طرف منسوب روایات کے بارے میں پوچھا جا سکتا تھا' اس طرح تشیع اور اسلام دونوں کے بارے میں کسی برے وقت کا انتظار کرنے والوں کے لیے میدان خالی چھوڑ دیا گیا۔ انہوں نے لایعنی مباحث پیدا کئے اور فضول اور موشگافیوں میں پڑ گئے پھر ان کے قلموں نے جو کچھ ان کے جی میں آیا' لکھا۔

شیعہ راویوں نے من گھڑت روایات کو جنم دیا

میں صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مسئلے کی مزید وضاحت کرتا ہوں اور مسئلہ خلافت سے ابتداء کروں گا تاکہ ہمیں پتہ چل سکے کہ شیعہ رواۃ نے صحابہ کرام اور خلفاء کے حق میں جو کچھ روایت کیا ہے وہ وہ امام علیؓ اور اہل

بیت کی سیرت سے واضح طور پر متصادم ہے اس کے بعد ہم اس کا بھی جائزہ لیں گے کہ ان رواۃ اور بعض علماء شیعہ نے اپنی آراء کو زوردار بنانے اور امام علیؓ اور اہل بیتؓ کے صریح اور واضح موقف کو الٹنے کے لیے جو ان کی طرف منسوب روایات کے منافی ہے، ان کے بعد کس طرح تحریف کر کے امام موصوفؓ اور اہل بیتؓ کے موقف کے برعکس کر دیا اور ایسی پرپیچ صورت میں جس کا ظاہر خوبصورت اور باطن گھناؤنا ہے مقصد صرف یہ تھا کہ اپنی آراء کو اپنے حسب منشاء ثابت کریں۔

شیعہ عقائد میں ردوبدل کا اقرار

لیکن کیا اس سب کچھ کا یہ مطلب ہے اور یہی بات خلافت کے متعلقات اور اس مسئلہ کے تمام فروعات میں بنیادی پتھر اور مقطع کی حیثیت رکھتی ہے) کہ اس مسئلہ میں کوئی آسمانی حکم موجود ہے جو حضرت علیؓ کو بطور خلیفہ تعین کرتا ہو یا یہ صرف نبی اکرم ﷺ کی ذاتی خواہش تھی؟ حضرت علیؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ اس مسئلہ میں کوئی واضح آسمانی نص موجود نہیں ہے۔ ان کے ساتھی اور ان کے معاصرین کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ "غیبت کبریٰ" کے زمانہ تک یہی اعتقاد قائم رہا یہی وہ زمانہ ہے جس میں شیعہ کے عقائد میں ردوبدل شروع ہوا اور ان کو بالکل الٹ کر رکھ دیا گیا۔

ہم ایک بار پھر کہتے ہیں کہ ان دو الگ الگ عقیدوں میں بڑا فرق ہے۔ حضرت علیؓ خلافت رسول کا دوسروں کی نسبت زیادہ حق رکھتے تھے لیکن مسلمانوں نے کسی دوسرے کو منتخب کر لیا۔ خلافت حضرت علیؓ کا آسمانی حق تھا لیکن ان سے چھین لی گئی۔

آیئے حضرت علیؓ کی زبانی سنیں، وہ پوری وضاحت اور کامل صراحت کے ساتھ مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہیں اور خلفاء کے انتخاب کے شرعی ہونے پر مہر

تصدیق ثبت فرماتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ خلافت کے مسئلہ میں نص موجود نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

بلاشبہ جن لوگوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی بیعت کی تھی انہی لوگوں نے میری بیعت کی ہے اور اسی شرط پر کی ہے جس پر ان کی بیعت کی تھی، اس لیے کسی حاضر کو تردد کا اور کسی غائب کو انکار کا حق نہیں ہے اور بلاشبہ مشورہ مہاجرین و انصار کا حق ہے اگر وہ حضرات کسی پر اتفاق کرلیں اور اسے امام بنادیں تو یہ اللہ کی رضا کی دلیل ہوگی اور اگر کوئی شخص ان پر طعنہ زنی کرے اور نیا راستہ اختیار کرتے ہوئے ان کے احکامات سے روگردانی کرے تو ان کا حق ہے کہ مسلمانوں کا راستہ چھوڑنے کے سبب اس سے جنگ کریں۔

خلافت کے لیے کوئی نص موجود نہیں

لہٰذا اگر خلافت اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور حکم آسمانی کے مطابق بھی ہو تو قطع نظر اس سے کہ کون اس کا والی بنتا ہے مسلمانوں کا عام حق اور آسمانی دستور تھا۔

مسئلہ خلافت میں جو تفصیلات ہم نے بیان کی ہیں اور یہ حقیقت کہ اگر خلافت اللہ کے صریح حکم سے ہوتی تو کوئی بڑی سے بڑی شان والا بھی اس کی خلاف ورزی نہ کرسکتا نہ اس کا انکار یا اس سے تغافل برت سکتا (اگر پیش نظر رہیں تو اختلاف کی گنجائش ہی نہیں رہتی)۔ لیکن ہمارا سامنا علما، شیعہ کے ایک بڑے گروہ سے ہے جس نے اس حقیقت کو بالکل نظرانداز کردیا اور اسی لیے انہیں حضرت علی کی بیعت کی یہ تاویل کرنا پڑی کہ انہوں نے تقیہ کیا یا خوف زدہ ہوگئے یا انہیں ان کی خواہش و عقیدہ کے برخلاف ایک کام پر مجبور کردیا

گیا۔

غلط نقطۂ نظر کی تاویل کرنے کے لئے حضرت علیؓ

پر خوف یا تقیہ کا الزام لگایا گیا

یہاں ان لوگوں کے کردار کی باری آئی جنہوں نے حضرت علیؓ اور ان کی شخصیت کو ختم کرنا چاہا اور بالواسطہ طور پر انہیں الزامات کا نشانہ بنانا چاہا اس طرح زمانہ رسالت و عہد صحابہ کے متعلق ہر چیز کو ختم کیا جا سکتا ہے کیوں کہ زمانہ رسالت کو جس میں کبار صحابہؓ بھی شامل ہیں ورنہ اس اسلامی معاشرہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے صریح احکام سے بغاوت کا نقشہ کھینچا جا سکتا ہے اور یہ امر اس بات پر موقوف تھا کہ حضرت علیؓ کی خلافت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصوص باور کرایا جائے اور رسول ﷺ کی جانب سے صحابہؓ تک اس نص کی تبلیغ اور صحابہؓ کے اس نص کو جان لینے کے باوصف اس کی خلاف ورزی اور پھر حضرت علیؓ کی بحیثیت دغاباز' مداہنت کیش اور چاپلوس آدمی کی شکل میں تصویر کشی کی جائے جو پچیس برس تک اپنے پہلے خلفاء ثلاثہ کا بظاہر وفادار مشیر اور گرم جوش دوست بنا رہا جو ان کی مدح میں رطب اللسان اور ان کی تعریف میں بہترین کلمات نچھاور کرنے والا ہو اور اس کا دل اس کی زبان کے ساتھ نہ تھا جو وہ کرتا تھا اس کا ایمان نہ تھا یہاں تک کہ اس نے مجبوری کی حالت میں ہی اپنی بیٹی ام کلثوم عمرؓ بن خطاب کے عقد میں دے دی اپنے بیٹوں کے نام ابوبکرؓ و عمرؓ' عثمانؓ رکھے حالانکہ وہ ان کے یہ نام رکھنے پر راضی نہ تھے۔ وعلی ہذا القیاس۔

علماء شیعہ اور ان کی احادیث کے راویوں' اللہ انہیں معاف کرے' نے حضرت علیؓ کے متعلق صراحۃً یا کنایۃً جو کچھ لکھا ہے' اس کا خلاصہ یہ

ہے۔ میں نہیں جانتا کہ قیامت کے دن جب حضرت علیؓ نے ان کے متعلق اپنے رب سے شکایت کریں گے تو ان لوگوں کا کیا موقف ہو گا۔

اسی طرح میرا عقیدہ یہ ہے کہ اس اکثریت کے درمیان غیر معمولی گروہ موجود تھا جس نے متحدہ اسلامی فکر میں تبدیلی پیدا کر کے اسے نفاق و اختلاف کے راستے پر ڈالنے اور حضرت علیؓ و عمرؓ سمیت اسلام اور مسلمانوں پر ضرب کاری لگانے میں اپنا کردار ادا کیا حالانکہ بظاہر یہ لوگ خود کو شیعہ مذہب کے حامی کے طور پر پیش کرتے تھے مگر ان کا مقصد تمام مذاہب کو ختم کرنا بالفاظ دیگر اسلام کو طعنوں کا نشانہ بنانا تھا چنانچہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل تک جو غیبت کبریٰ کا زمانہ ہے ہمیں اس نظریہ کا نام و نشان تک نہیں ملتا کہ حضرت علیؓ سے خلافت چھینی گئی یا یہ کہ خلافت خدائی حق تھا جو ان سے چھین لیا گیا۔ یا یہ کہ رسول اللہ کے صحابہؓ نے اکٹھے ہو کر یہ کام کیا اور اس طرح سے جیسا کہ ہم نے کہا۔ حضرت علیؓ کے خلافت کے لیے اولویت کے نظریہ کو خدائی خلافت اور اللہ تعالیٰ کے منصوص حکم کی مخالفت کے نظریہ سے بدل دیا گیا۔ لہٰذا شیعہ نے خلفاء راشدینؓ کی تشنیع کا طریقہ اختیار کر کے اپنے ائمہ کی زبانوں سے اپنے راویوں کی وضع کردہ روایات کے ذریعے مقدس لوگوں کی مذمت کی ان موضوع روایات نے جو اپنے پیچھے تباہی و بربادی کے آثار چھوڑے انہیں اللہ کے سوا کوئی شخص شمار میں نہیں لا سکتا

ہم یہاں شیعہ سے خالص انہی کی منطق میں گفتگو کر رہے ہیں اس لیے ہم خلفائے راشدینؓ کے متعلق امام علیؓ کے اقوال درج کرتے ہیں۔ پھر حضرت امامؓ کے اپنے بارے میں اقوال سے شہادت پیش کرتے ہیں پھر اپنے آپ سے پوچھتے ہیں کیا ایسے عظیم الشان امامؓ نے خلفاء کی نہ چاہتے ہوئے بیعت کی جب کہ وہ اس پر راضی نہ تھے؟ یا وہ اپنے اس رویہ سے مسلمانوں کو بیعت کے ذریعے دھوکہ دے رہے تھے؟ کیا انہوں نے ایسی بات زبان سے کی

جسے حق نہیں سمجھتے تھے؟ اور ایسا عمل بجالاتے رہے جس پر ان کا اپنا ایمان نہیں تھا؟

کیا شیعہ کو واقعی علیؓ سے سچی محبت ہے؟ جب کہ وہ ایسے امور ان کی طرف منسوب کر رہے ہیں' یا صرف اقتدار حاصل کرنے اور اپنی ریاست کی بنیاد رکھنے کے لئے یہ پرخار راستہ اختیار کر رہے ہیں خواہ اس راستہ میں انہیں حضرت علیؓ کی شہرت' ان کی جلالت قدر' عظمت ذاتی اور مقام بلند کی قربانی بھی دینی پڑے۔

خلفاء راشدین کے متعلق حضرت علیؓ کے اقوال

آیئے امام علیؓ کو خلیفہ عمرؓ بن خطاب کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے سنیں:

"اللہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آزمائش سے کس طرح سرخرو نکلے۔ انہوں نے ٹیڑھا پن نکالا اور بیماری کا علاج کیا' فتنہ کو ماند کیا اور سنت قائم کی۔ اس حالت میں گئے کہ دامن صاف عیب نایاب تھا۔ خیر حاصل کی شر سے بالا تر رہے۔ اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت کی اور کماحقہ تقویٰ اختیار کیا۔ اب آپ رحلت فرما گئے ہیں تو لوگ چوراہے پر کھڑے ہیں۔ ناواقف کو راہ بجھائی نہیں دیتی اور واقف یقین سے بہرہ مند نہیں ہوتا" (بحوالہ اصلاح شیعہ)

دوسرے مقام پر جب خلیفہ نے رومیوں کے ساتھ جنگ میں بذات خود شریک ہونے کے مسئلہ میں امام علیؓ سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر آپ دشمن کی طرف بذات خود جاتے اور ان کے مقابلہ میں اترتے ہیں تو شکست کی صورت میں مسلمانوں کے لیے بعید

ترین علاقے کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہو گی اور آپ کے بعد کوئی مرکزی شخصیت بھی نہ رہے گی جس کی طرف وہ رجوع کریں۔ لہذا ان کی طرح کوئی تجربہ کار آدمی بھیج دیں۔ آزمودہ کار اور خیر خواہ مصاحب اس کے ساتھ کر دیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے فتح نصیب کی تو یہی آپ چاہتے ہیں۔ بصورت دیگر لوگوں کے سر پر آپ کا سایہ قائم رہے گا اور آپ کی ذات مسلمانوں کے لیے مرجع رہے گی اور ان کو ڈھارس بندھائے گی"۔ (بحوالہ اصلاح شیعہ)

ایک دوسری مرتبہ جب خلیفہ عمرؓ بن خطاب نے علیؓ ابن ابی طالب سے جنگ کے لیے جانے کے متعلق مشورہ طلب کیا تو امام علیؓ نے بذات خود نہ جانے کی نصیحت کرتے ہوئے کہا:

"آج عرب اگرچہ تعداد میں تھوڑے ہیں لیکن اسلام کی بدولت کثیر اور اتفاق کی بدولت غالب ہیں۔ آپ محور بن کر عربوں کے ذریعے چکی چلائیں اور خود ایک طرف رہ کر ان کو جنگ کی آگ میں جھونکیں۔ اگر ایرانیوں نے آپ کو ان کے ساتھ دیکھا تو سوچیں گے کہ عربوں کی جڑ یہی ہے' اسے کاٹ ڈالو تو راحت پالو گے۔ اس طرح یہ امران کے آپ پر اُمڈ آنے کا باعث ہو گا اور وہ آپ کے متعلق اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کا حوصلہ پائیں گے۔ جہاں تک ان کی اس استعداد کا تعلق ہے' جس کا آپ نے ذکر کیا تو ہم پہلے بھی ان کے ساتھ کثرت کی وجہ سے مقابلہ نہ کرتے تھے۔ ہماری جنگ تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت سے ہوتی ہے"۔ (بحوالہ اصلاح شیعہ)

اور یہ دیکھیے حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ بن عفان سے محو گفتگو ہیں اور انہیں اللہ کے رسول کے مقرب صحابی کی صفات سے متصف بتا رہے ہیں:

"لوگ میرے پیچھے ہیں انہوں نے مجھے اپنے اور آپ کے درمیان واسطہ بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ آپ کو کیا کہوں۔ میں کوئی ایسی چیز نہیں جانتا جس سے آپ ناواقف ہوں۔ میں آپ کی رہنمائی کسی ایسے امر کی طرف نہیں کر سکتا جسے آپ جانتے نہ ہوں۔ آپ بھی وہ کچھ جانتے ہیں جس کا علم ہمیں ہے۔ ہم کسی چیز میں آپ سے آگے نہ تھے کہ آپ کو اس کی خبر دیں اور ہم کسی امر میں منفرد نہ تھے کہ آپ تک وہ بات پہنچائیں۔ آپ نے بھی ہماری طرح دیکھا اور ہماری طرح سنا۔ آپ نے بھی رسول اللہ کی مصاحبت کی جیسا کہ ہم نے کی۔ ابن ابی قحافہؓ اور عمرؓ بن خطاب حق پر عمل کرنے میں آپ سے آگے نہ تھے۔ رشتہ کے لحاظ سے آپ نبی ﷺ کی طرف دونوں سے زیادہ قرب رکھتے ہیں۔ آپ کو رسول اللہ ﷺ کی دامادی کا شرف حاصل ہے جو ان کو نہ تھا۔ پس اپنے بارے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کریں۔ اللہ کی قسم آپ بے بصارت نہیں کہ آپ کو راہ دکھائی جائے، آپ جاہل نہیں کہ آپ کو تعلیم دی جائے"۔

معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کے نام ایک خط میں خلیفہ عثمانؓ بن عفان کے متعلق اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"پھر تم نے جو میرے اور عثمانؓ کے معاملے کا تذکرہ کیا ہے تمہارا حق ہے کہ تمہیں اس کا جواب دیا جائے۔ کیونکہ تم اس کے قریبی رشتہ دار ہوں تو بتاؤ ہم میں سے کون اس کا دشمن اور اس کی قتل گاہ کی راہ جاننے والا تھا کیا وہ جس نے انہیں نصرت کی پیش کش کی لیکن انہوں نے اسے بیٹھے رہنے اور ہاتھ روکنے کو کہا یا وہ جس سے انہوں نے مدد مانگی تو اس نے دیر کی اور موت کے اسباب

روانہ کر دیے۔ میں اس بات سے معذرت نہیں کر سکتا کہ بعض امور میں ان پر ناراضگی کا اظہار کرتا ہوں اور میرا گناہ یہ ہے کہ میں ان کی رہنمائی کرتا اور سیدھی راہ دکھاتا رہا ہوں میری طرح کے کتنے ہی لوگ ہوں گے جنہیں ملامت کی جاتی ہے لیکن ان کی خطا نہیں ہوتی"۔ (بحوالہ اصلاح شیعہ)

اگر خلفاء کے متعلق امام علیؓ کا موقف یہ ہو اور وہ صراحت کے ساتھ اس کا اعلان کرتے ہوں تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام زبان سے تو یہی کہتے تھے لیکن دل میں کچھ اور چھپائے ہوئے تھے امعاذ اللہ من ذلک 'اگر امام ایسے ہوتے کہ ظاہر کچھ کریں اور پوشیدہ کچھ اور رکھیں تو آپ وہ موقف اختیار نہ کر سکتے جو انسانی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے ناقابل فراموش ہے۔ وہ تو صدق' اخلاص اور ایمان کا موقف ہے۔ ایک ایسے انسان کی طرف سے جو ہر قسم کی قیاس آرائیوں سے قطع نظر کر کے اول و آخر حق و صداقت کا ساتھ دیتا ہے اور اس راستے میں بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ چنانچہ یوم شوریٰ میں جب عبدالرحمانؓ بن عوف نے امام علیؓ کو خلافت یہ کہہ کر پیش کی:

"میں تمہاری اس شرط پر بیعت کرنے کو تیار ہوں کہ تم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور سیرت شیخین پر کاربند رہو گے"۔

تو امامؑ نے فرمایا:

"کتاب اللہ' سنت رسول اللہ اور اپنی مجتہدانہ رائے"

عبدالرحمانؓ بن عوف نے اپنی بات تین بار دہرائی اور امام نے بھی وہی جواب تین بار دہرایا۔ پھر عبدالرحمانؓ عثمانؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی صورت میں خلافت پیش کی جس صورت میں امام کو پیش کی تھی۔

شیعہ کا خمس کا عقیدہ بدعت ہے

خمس کی بدعت کی بنیاد رکھے جانے کے بعد اس میں کئی سخت احکامات کا اضافہ کیا گیا تاکہ شیعہ اسے مضبوطی سے تھامے رکھیں اور اس پر عمل پیرا رہیں اور شیعہ کو خمس کی ادائیگی پر آمادہ کرنے کے لیے بھی ضروری تھا۔ جب کہ یہ ایسا کام تھا کہ دھمکی کے بغیر کوئی شخص اس پر آمادہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ کسی زمانے اور کسی علاقے میں خواہ کتنی ہی آزادی' ترقی یا جمہوریت ہو' ٹیکس کا نفاذ عوام کی جانب سے بیزاری کا نشانہ بنتا ہے۔ شیعہ کے پاس حکمران طاقت تھی نہیں کہ لوگوں کو اپنی آمدن میں سے راضی خوشی خمس ادا کرنے پر راغب کر سکیں اس لیے انہوں نے اس کے ساتھ ایسے سخت احکام کا اضافہ کیا جن میں امام کا حق خمس ادا نہ کرنے والے کا ابدی جہنمی ہونا اور ایسے شخص کے گھر نماز نہ پڑھنا جس نے اپنے مال میں سے خمس ادا نہ کیا ہو' یا اس کے دسترخوان پر نہ بیٹھنا وغیرہ شامل ہیں۔ (بقول ڈاکٹر موسیٰ)

اسی طرح شیعہ فقہاء نے فتویٰ دیا کہ منافع میں سے خمس امام غائب کا حق ہے (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے) اس کا ان فقیہوں اور مجتہدوں کے سپرد کرنا ضروری ہے جو امام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس طریقے سے اس بدعت نے شیعہ معاشرہ میں فروغ پایا جو ہر علاقہ اور ہر زمانہ میں شیعوں کے اموال کی فصل کاٹتی رہتی ہے۔ بہت سے شیعہ آج بھی یہ ٹیکس اپنے روحانی پیشوا کو ادا کرتے ہیں اور اس طرح کہ وہ غریب اپنے پیشوا کے حضور عاجزی کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ پورے خشوع و خضوع کے ساتھ اس ہاتھ چومتا ہے اور پھر بہت شاداں و فرحاں ہوتا ہے کہ اس کے پیشوا نے اس پر بڑی عنایت فرمائی ہے اور امام غائب کا حق اس کی جانب سے قبول کر لیا ہے۔ بعض شیعہ فقہاء نے جن میں فقیہ احمد اردبیلی شامل ہیں' جو اپنے زمانہ کے سربرآوردہ فقہاء میں سے تھے' حتیٰ کہ انہیں مقدس اردبیلی کا لقب دیا گیا۔ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں خمس میں تصرف کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا۔ اسی طرح بعض شیعہ

فقہاء (جو تعداد میں بہت ہی کم تھے) نے امام مہدی سے مروی اس قول کی بنا کر کہ "ہم نے اپنے شیعان کو خمس معاف کر دیا ہے" شیعہ سے خمس ساقط قرار دیا ہے۔ البتہ شیعہ فقہاء کی اکثریت نے اقلیت کی آراء کو دیوار کے ساتھ دے مارا اور آپس میں خمس نکالنے کے واجب ہونے پر اتفاق کر لیا۔

کاش شیعہ فقہاء اور "مجتہدین" شیعہ کے اموال سے بالا تر رہتے اور ایسا ذریعہ اختیار کر کے جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے۔ شیعہ عوام کے دست نگر بننا پسند نہ کرتے۔ بعض شیعہ علماء شیعہ (عوام) کے اموال میں سے خمس وصول کرنے کا یہ کہہ کر دفاع کرتے ہیں کہ "یہ اموال دینی مدارس، علمی اداروں اور دیگر مذہبی امور پر خرچ کیے جاتے ہیں" لیکن سوال یہ نہیں ہے کہ یہ اموال کہاں اور کیوں خرچ کیے جاتے ہیں بلکہ بحث اصولی، واقعی اور مذہبی ہے اور وہ یہ کہ مذکورہ اموال جھوٹے اور غلط طریقہ سے لوگوں سے ہتھیائے جاتے ہیں۔ گو انہیں فی سبیل اللہ صرف کیا جائے لیکن یہ غیر شرعی ہیں۔ ان میں تصرف ناجائز ہے۔

شیعہ فقہاء خود کفالت پر بھی اپنی شخصیت کی بنیاد رکھ سکتے ہیں یہ بھی ہو سکتا تھا کہ فقہاء دوسرے پیشہ وروں کی طرح اپنے آپ پر اعتماد کرتے۔ اسی طرح وہ علم اور علماء کی ترقی کے لیے لوگوں سے مال بھی لے سکتے تھے لیکن انہیں چاہیے تھا کہ مالی تعاون، ہبہ اور عطیہ کے نام سے لیتے نہ کہ شرعی فریضہ یا آسمانی حکم کے نام سے اس وقت جب یہ سطور سپرد قلم کر رہا ہوں، میں شیعہ کے مجتہدوں میں سے ایک ایسے مجتہد کو جانتا ہوں جو ابھی بقید حیات ہے۔ اس نے خمس کے ذریعہ اس قدر مال ذخیرہ کر رکھا ہے کہ ماضی کے قارون یا دور حاضر کے قارونوں کا ساتھی بنانے کے لیے کافی ہے۔ ایران میں ایک ایسا مجتہد جو چند سال ہوئے قتل ہو گیا ہے۔ اس نے لوگوں سے خواہی نخواہی خمس اور شرعی حقوق پر اتنی دولت جمع کر لی تھی جو دو کروڑ ڈالر کے

برابر بنی تھی اور بڑی مشکلات اور کئی مقاصد کے بعد ایرانی حکومت اسے اپنے قبضہ میں لینے میں کامیاب ہو سکی کہ مبادا اسے مجتہد کے وارث آپس میں تقسیم کر لیں۔

یہ دل فگار تصویر ہے بدعت خمس کے اثرات کی، جسے شیعہ فقہاء نے شروع کیا۔ اس میں شک نہیں کہ شیعہ کی مذہبی قیادت کبھی ختم نہ ہونے والے اس خزانے کی بدولت متعدد قوتوں سے الگ اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب رہی جب تک شیعہ کی مذہبی قیادت کسی بھی جگہ اور کسی بھی دور میں خود کو عام لوگوں کے کاروبار کے منافع میں شریک سمجھتی رہے گی۔ شیعہ معاشرہ میں فکری استحکام کے لیے کوئی راہ نہیں ہوگی اور اس کا سبب واضح اور معروف ہے کہ یہ قیادت ان ضخیم خزانوں کی بدولت کہ جن کے حصول کے لیے انہیں ملازمین اور تحصیل داروں کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اخلاص کے ساتھ راضی خوشی اس کے پاس چلے آتے ہیں۔ وہ اس قابل ہو سکی کہ شیعہ قیادت کو سیاست کا ایسا مرکز بنا ڈالیں جو شیعہ کو جس طرف چاہے، لے جا سکے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اس قیادت نے شیعہ کو تاریخ کے ہر دور میں اپنے سیاسی اور اجتماعی مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے۔

ایران کے شیعہ علاقہ میں شیعہ اور ان کے قائدین کے اس تعلق کے نتیجے میں وہ برے اثرات رونما ہوئے ہیں جو حد و حساب سے فزوں تر ہیں۔ جب خمس کی بدعت کے ساتھ ولایت فقیہ کی بدعت بھی مل گئی تو حالات اس آخری حد تک بگڑ گئے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ولایت فقیہ پر تفصیل سے بحث کرنے سے پہلے تاریخ کے بیان میں امانت اور اپنے پیغام میں اخلاص کا ثبوت دینے کے لیے ہم اس مقام پر یہ اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ بلاشبہ بعض قائدین نے فکر اسلامی کی خدمت انجام دی ہے اور کئی مرتبہ حکام کے استبداد یا استعمار کے خلاف جنگ میں ملکی

مفادات کی خدمت کی ہے لیکن جب ہم ان لوگوں کو اپنے اثر و رسوخ کے عام مفاد کے لیے استعمال اور اکثریت کے اپنے اثر و رسوخ کو ذاتی مفاد کے لیے استعمال کا موازنہ کرتے ہیں اور ان کو ترازو میں رکھتے ہیں تو واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ ذاتی مفادات کا پلڑا عام مفادات پر کچھ اس طرح بھاری ہے کہ آدمی ورطہ حیرت میں گم اور غم واندوہ میں غرق ہو کر رہ جاتا ہے۔

ولایت فقیہ کا عقیدہ

ولایت فقیہ دوسرا یا دوسری بدعت ہے جس کا اضافہ ان لوگوں کے تسلط کے زیر اثر کیا گیا جو زمانہ غیبت کبریٰ میں امام مہدی کی نیابت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ نظریہ دقیق ترمعنی میں حلولی نظریہ ہے جو اسلامی فکر میں مسیحی انداز فکر کی طرف سے آیا جو کہ اللہ تعالیٰ کے مسیح کی شکل میں اور مسیح کے فقیہ اعظم کی شکل میں ظاہر ہونے کا قائل ہے۔ تفتیشی عدالتوں کے زمانہ میں اسپین، اٹلی اور فرانس کے ایک حصہ میں پاپائے روم بے پایاں خدائی اختیارات کے نام سے فیصلے کرتا اور پھانسی پر لٹکانے، زندہ جلانے اور قید کرنے کی سزائیں سناتا تھا۔ اس کے "گارڈ" پرامن گھروں میں شب و روز داخل ہوتے اور ان کے مکینوں کے ساتھ برا اور مفسدانہ سلوک کرتے۔ غیبت کبریٰ کے بعد یہی بدعت شیعی طرز فکر میں شامل ہو گئی۔ اس نظریہ نے اس وقت مذہب کا رنگ اختیار کر لیا جب شیعہ علماء نے امامت کے متعلق زیادہ زور دینا شروع کیا اور یہ کہنے لگے کہ یہ الٰہی منصب ہے جو رسول کے نائب کے طور پر امام کے سپرد کیا گیا ہے اور یہ کہ امام زندہ لیکن نظروں سے غائب ہے۔ تاہم غائب ہونے کے سبب اس کے وہ اختیارات مفقود نہیں ہوئے جو اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے حاصل تھے اور یہ اختیارات اس کے نائبین کی طرف منتقل ہو گئے ہیں۔ کیونکہ نائب ہر معاملہ میں اس کی نمائندگی

کرتا ہے' جس کا وہ نائب ہو۔

اس طرح شیعی افکار کے بڑے حصہ کا احاطہ ولایت فقیہ نے کر لیا لیکن ان میں سے بہت سوں نے سابق الذکر معنی میں "ولایت" کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ولایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کے بعد بارہ اماموں کے ساتھ خاص ہے اور امام کے نائبین کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔ فقیہ کی ولایت قاضی سے بڑھ کر نہیں ہوتی جو ایسے اوقاف کی لیے امین مقرر کر سکتا ہے جس کا کوئی متولی نہ ہو یا پاگل اور عاجز کا نگران مقرر کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ "ولایت فقیہ" کا نظریہ عالم خیال سے علمی دائرہ کار میں آنے کا موقع نہیں پا سکا۔ یہ موقع اسے صرف اس وقت ملا جب ایران میں شاہ اسماعیل صفوی نے اقتدار پر قبضہ کیا۔ یہ وہی زمانہ ہے جسے ہم نے شیعہ اور تشیع کے درمیان معرکہ آرائی کا عہد قرار دیا ہے۔

ایران پر شیعہ کا تسلط ۹۰۷ھ میں ہوا

شاہ اسماعیل ایک صوفی خاندان میں پیدا ہوا جس کا مستقر اردبیل شہر میں تھا۔ جو ایران کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ اس کے آباء و اجداد صوفی تحریک کے مرکز و محور تھے جس کا شعار علیؓ اور ان کے اہل بیت کی محبت تھا اور ترکی آذربائیجان میں اس کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ ۹۰۷ھ میں شاہ اسماعیل نے قوت حاصل کر لی اور ایرانیوں اور عثمانیوں کے درمیان جنگوں کے بعد جنہوں نے ایران کو تباہ کر ڈالا' ایران کا بادشاہ بن بیٹھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہ اسماعیل جس کی باوقار تاج پوشی ہوئی تو وہ صرف تیرہ برس کا تھا' کی پشت پر صوفی قیادت کارفرما تھی جو نوجوان بادشاہ کو اپنے مقاصد کے مطابق استعمال کر رہے تھے اور جب شاہ اسماعیل نے

اقتدار پر قبضہ کیا تو ایران 'قم' قاشان اور نیشاپور جیسے چند شہروں کے سوا شیعہ کا وجود نہ تھا۔ شاہ نے شیعیت کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دینے کا اعلان کیا۔ صوفیوں کے جلوس ایرانی شہروں کے درمیان علیؓ اور اہل بیت کی مدح پر مشتمل اشعار و قصائد پڑھتے ہوئے آنے جانے لگے۔ یہ لوگ عامۃ الناس کو شیعہ مذہب میں داخل ہونے کی ترغیب دیتے۔ شاہ اسماعیل صفوی نے شیعہ مذہب اختیار کرلینے کا اعلان نہ کرنے والوں کی گردنیں تلوار سے اڑادیں۔

اس مقام پر ایک لطیفہ بھی ہم ذکر کردیں۔ اصفہان کے شہری خارجی تھے۔ جب ان تک شاہ کا شیعیت قبول کرلینے یا ان کی گردنیں اڑادینے کا حکم پہنچا تو انہوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں چالیس روز کی مہلت دی جائے تاکہ اس دوران وہ امام علیؓ کو زیادہ سے زیادہ سب و شتم کرسکیں بعد ازاں وہ نئے مذہب میں داخل ہوجائیں گے۔ چنانچہ انہیں ان کی خواہش کے مطابق مہلت دی گئی۔ اس طرح اصفہان بھی دوسرے شیعہ شہروں کی صف میں شامل ہوگیا۔

باوجودیکہ شاہ اسماعیل بذات خود اپنی پرورش اور صوفیانہ مقام کے اعتبار سے شیعہ ہی تھا لیکن ایران کو خالص شیعی رنگ میں رنگنا نئی حکومت کا دردسر تھا۔ عثمانیوں کے ساتھ جنگیں اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے علاقائی جنگیں تھیں' جن کی جڑیں قدیم تھیں مگر اس سلسلہ کا جاری رہنا مسلمان کی مسلمان کے ساتھ جنگ حرام ہونے کے نظریہ سے متصادم تھا اور مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا ایسا معاملہ تھا کہ ایران کے اندر اسے مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ عثمانی خلافت کے ساتھ منسلک رہنا اور خلیفہ کا مطیع رہنا' جسے امیر المومنین کا لقب دیا جاتا تھا' ایسا معاملہ تھا جس کے حامی موجود تھے لیکن شاہ اسماعیل کے ایرانی قوم کو سکھائے ہوئے نئے دین نے ایرانیوں میں شدید تعصب پیدا کردیا اور عثمانی خلیفہ کی ایران کو خلافت عثمانیہ میں شامل رکھنے کی

تمام امیدوں کا خاتمہ کر دیا اور اس وقت جب کہ شاہ خود کو صوفیوں کا مدار و محور سمجھے ہوئے تھا، شیعوں نے ایسی شان و شوکت حاصل کر لی جس کی مثال نہیں ملتی مگر اس نے بھی ولایت فقیہ کا سہارا لیا۔

ہمارے زمانہ کی تاریخ میں جو کہ شیعہ اور تشیع کے درمیان معرکہ آرائی کا دور ہے ولایت فقیہ شیعہ ممالک میں حوادث کے اسٹیج پر خونخوار اور تند و تیز صورت میں ظاہر ہو رہی ہے جس نے تمام انسانی اور اسلامی اقدار کو بیک قلم مٹانا شروع کر دیا ہے۔ اس نظریہ کے بارے میں فقہاء کے درمیان پھوٹ پڑنے والا اختلاف جس نے خوفناک معرکہ آرائی کی صورت اختیار کر لی ہے، نیز حکمران فقہاء کا جبر و تشدد جس کا نشانہ حکومت سے باہر رہنے والے فقہاء کو بنایا گیا، شاید اندوہناک ترین اختلافات میں سے ہے جن کی ذمہ داری ولایت فقیہ کے سر پر ہے۔

جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں فقہی بحث و جدل سے ہٹ کر بعض دیگر اہم ترین زاویوں سے متعہ کا گہری نظر سے جائزہ لوں گا۔ اس کے بعد فرزندان شیعہ امامیہ میں سے تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ کے سامنے اس کی بھیانک صورت رکھوں گا۔ میری تمام اصلاحی کوشش اور اس کی عملی صورت اگر اس طبقہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ انہی سے مجھے امید اور توقع ہے کہ وہ اصلاح و تصحیح کی مساعی کو آگے چلانے کے لیے قیادت کریں گے۔ بلاشبہ جو اسلام انسان کی تکریم کے لیے آیا ہے، جیسا کہ درج ذیل آیت میں ارشاد ہوا ہے:

ولقد کرمنا بنی آدم

"ہم نے بنی آدم کو عزت و تکریم بخشی"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (الحدیث)

"مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے"۔

کیا ممکن ہے کہ یہ اسلام کوئی ایسا قانون دے جس میں ایسی جنسی اباحت ہو اور عورت کے وقار کی اس حد تک توہین کی گئی ہو جس کی نظیر ہمیں اباحیت پر قائم معاشروں کی قدیم و جدید تاریخ میں کہیں نہ مل سکے حتیٰ کہ "لوئی چہار دہم" "وارسا" میں واقع اپنے محل میں ترکی اور فارسی بادشاہ اپنے محلات میں ایسا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔

مذکورہ بالا آیت میں بنی آدم کے لفظ میں مرد و عورت برابر شامل ہیں اور جن مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے رسول اللہ تشریف لائے تھے، وہ بھی مرد و عورت دونوں جنسوں کے لیے ہیں قانون متعہ میں عورت کی تکریم اور اس کے اخلاق کی حفاظت کا کیا مقام ہے؟ اس قانون میں عورت کا مقام صرف ذلت و رسوائی ہے اور اس کی حیثیت بالکل اس سودے کی ہے جسے جب چاہے ایک کے بعد دوسرا بغیر کسی حد و شمار کے بدلتا رہے۔ عورت جسے اللہ تعالیٰ نے اس شرف سے نوازا ہے کہ جہاں وہ ماں کی حیثیت سے عظیم مردوں اور عورتوں کو برابر طور پر جنم دیتی ہے وہاں اسے ایک ایسا مرتبہ بھی دیا ہے جو ماں کے علاوہ کسی کو نہیں دیا۔ فرمایا:

الجنۃ تحت اقدام الامھات

"جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے"۔

کیا اس بلند مرتبہ ماں کے شایان شان ہے کہ وہ اپنے اوقات یکے بعد دیگرے مختلف مردوں کی آغوش عشرت میں داد عش دیتے ہوئے گزارے اور ایسا ہو بھی شریعت کے نام سے؟

شیعہ مذہب میں متعہ کی کوئی گنجائش نہیں

ہمارے بعض فقہاء نے اللہ انہیں معاف کرے، متعہ کی ایک تصویر

پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہتے ہیں گویا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو اس نے ایسا شرعی قانون بنایا جس کی بدولت مرد بدکاری میں مبتلا ہونے سے بچ جاتا ہے لیکن اس کے ذہن میں یہ پہلو نہ آیا کہ اسلام صرف مردوں ہی کا دین نہیں بلکہ یہ پوری انسانیت کے لیے نازل ہوا ہے جس میں عورتیں بھی شامل ہیں اور قوانین الٰہیہ اور شرائع سماویہ اس لیے نہیں اتریں کہ انسان کی شہوتیں اور جنسی تقاضے شریعت و قانون کے پردے میں پورے ہوتے رہیں۔ اسلام تو اس لیے آیا ہے کہ لوگوں کو زمانہ جاہلیت کی اباحیت سے نکال کر فضائل و اخلاق سے آراستہ کرے نہ اس لیے کہ جاہلیت اور اس کے مظاہر کو تشریع اور قانون الٰہی کا تقدس دے۔

اسلام بیک وقت چار سے زائد بیویاں جمع کرنے کو حرام قرار دیتا ہے اور ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کے لیے سخت ترین شرط رکھتا ہے جیسا کہ آیت ذیل میں تصریح آئی ہے:

فان خفتم الا تعدلوا فواحدہ

"پھر اگر ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو"۔

اور بیویوں کے درمیان عدل قائم کرنا مشکل ترین کام ہے۔ بعض اوقات تو ناممکن کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس قسم کی شرط (عدالت) رکھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مرد کو مقید رکھا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تعدد ازواج کے راستہ پر چلتا ہوا انسان طبعی تقاضے، بشری ضرورت، نسل اور خاندان کی تنظیم اور امت کے مفاد سے بڑھ کر شہوات نفسانی کی وادی میں چل نکلے۔ اسی لیے طلاق کی کراہت کے متعلق سختی سے بیان ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

ان ابغض الحلال الی اللہ الطلاق

"حلال امور میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے ناپسند طلاق ہے"۔

اور طلاق کو بھی سخت ترین شروط و قیود کے ساتھ مقید کر دیا ہے۔ ان شروط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وقوع طلاق کے لیے دو گواہوں کی حاضری ضروری ہے۔

ایک ایسا آسمانی دین جس کا موقف نکاح اور اس کی شروط کے بارے میں اتنا واضح اور ٹھوس ہو کیا یہ بات قرین عقل ہے کہ وہ خود ہی اپنے اس قانون کے منافی کوئی ایسا قانون جاری کرے جس میں اتنی بے لگام اباحیت ہو کہ آسمان اور زمین اس سے لرزنے لگیں اور اسلام جیسا دین ایسی اباحیت کا اختیار دے۔

مجھے یقین ہے کہ میری یہ ندائے اصلاح اپنے گرد ان تمام فرزندان شیعہ کو جمع کر لے گی جو ایسے قلب و نظر سے بہرہ ور اور ایسی سوچ رکھتے ہیں جس سے وہ معاملے کی سنگینی گرانباری اور ذلت و رسوائی کا ادراک کرتے ہیں اور معاملہ آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ واضح اور ظاہر ہے۔

اصلاح:

یہاں مسئلہ تصحیح سے بہت زیادہ اہم ہے۔ یہ بڑی ہوشربا حالت بد شیعہ افکار میں داخل ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ وہ روایات جو اس کے حلال ہونے کے بارے میں آئی ہیں خواہ وہ کتب شیعہ میں ہوں یا دیگر لوگوں کی کتابوں میں، حتیٰ کہ وہ روایات جو یہ بیان کرتی ہیں کہ یہ صدر اسلام میں جائز تھا تا آنکہ خلیفہ عمرؓ بن خطاب نے اسے حرام قرار دے دیا۔ میں یہی باور کرتا ہوں کہ یہ تمام روایات اسلام کے رخ زیبا کو داغدار کرنے کے لیے وضع کی گئی ہیں اور دوسری جانب دیگر تمام اسلامی فرقوں نے اس نظریہ کی اہمیت اور اس کے بڑے بڑے معاشرتی اور اخلاقی مفاسد کی حقیقت کو پا کر اس کے مقابلے میں

ایسا موقف اختیار کیا جو حق، عدل اور فضیلت کے امتیازی نشانات کا حامل ہے لیکن ہمارے فقہا شیعہ یا تو مسئلہ کی سنگینی کا ادراک نہیں کر سکے یا سب کچھ سمجھنے کے باوجود صرف جمہور اہل اسلام کی مخالفت کے شوق میں ہی متعہ جیسی غضب الٰہی کو دعوت دینے والی لعنت کو حلال قرار دیا اور اس کی اجازت دی کیونکہ جمہور مسلمانوں کی مخالفت کی فضیلت میں کئی روایات وضع کر کے انہیں جھوٹ اور بہتان باندھتے ہوئے امام صادق کی طرف منسوب کیا گیا جن میں آیا ہے:

الرشد فی خلافهم

"ہدایت ان کی مخالفت میں ہے"۔

یعنی اہل السنہ والجماعت کی رائے سے اختلاف کرنے میں ہی رشد و ہدایت ہے۔

ہمارے فقہاء کے فقہی استدلالات میں اس ناقابل فہم پیچیدگی کے علاوہ میرا خیال ہے کہ وقتی نکاح کے نظریہ کو شیعہ خصوصاً نوجوانوں کے لیے مذہب کو جاذب نظر بنانے کے لیے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اس مذہب میں کچھ خاص امتیازات ہیں جنہیں دیگر اسلامی مذاہب تسلیم نہیں کرتے۔ بلاشبہ دین کے نام سے جائز قرار دے کر جنسی لالچ دینا ایک ایسا عمل ہے جو اپنے اندر ہر جگہ اور ہر وقت نوجوانوں اور کمزور طبع لوگوں کے لیے بڑی کشش رکھتا ہے جب میں اپنی کتب روایات میں ایسی روایات پڑھتا ہوں جو متعہ کی فضیلت، اس کے ثواب اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کے لیے آئمہ کے نام منسوب ہیں تو مجھے ہرگز کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ میں ان روایتوں کے بارے میں اپنے صریح اور واشگاف موقف کی طرف اس کتاب میں کئی مقامات میں اشارہ کر چکا ہوں اور ہماری تمام تر توجہ اسی پر مرکوز ہے کہ شیعہ گروہ کو اللہ ان روایات سے نجات دلائے۔

میں جب یہ سطور لکھ رہا ہوں تو شیعہ کے مستقبل، اصلاح کے بارے میں ان کے موقف، اس کے اصول و مبادی کی طرف غیر مشروط رجحان و میلان سے لمحہ بھر کے لیے بھی ناامیدی سے دوچار نہیں ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس اصلاحی کوشش کو ابتدائی مرحلے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے لیکن کلمہ حق بالآخر اپنا راستہ خود بخود بنا لیا کرتا ہے۔ بیدار مغز، تعلیم یافتہ مہذب طبقہ جو اپنے آپ کو ان ناکارہ افکار سے آزاد کرا سکتا ہے، جو انہیں ماں باپ اور فقہاء مشائخ نے تلقین کیے ہوں، کی خصوصی توجہ دنیا بھر میں شیعہ کے مستقبل کی بہترین ضمانت ہے۔

میں ایک بار پھر عارضی نکاح کی طرف آتا ہوں اور ان فقہاء سے سوال کرتا ہوں جو متعہ کے جواز اور اس پر عمل کے مستحب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ کیا وہ اپنی بیٹیوں، بہنوں اور رشتہ دار لڑکیوں کے ساتھ اس قسم کی حرکت کی اجازت دینا پسند کریں گے یا ان کے بارے میں ایسی بات سن کر ان کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے، رگیں پھول جائیں گی اور غصے پر قابو نہیں رکھ سکیں گے۔

عاشورہ محرم کے نام سے غلط رواج نواسہ رسولؐ کے نام پر ہنگامہ آرائی

ضرورت کا تقاضا ہے کہ ہم دس محرم کو امام حسینؓ کے غم میں آہنی زنجیروں سے کندھے پیٹنے، تلواروں اور سنگینوں سے سر پھوڑنے کا ذکر مستقل فصل میں کریں۔

چونکہ یہ بد صورت مظاہرہ تاحال شہادت حسین کی یاد میں منعقد ہونے والی تقریبات و مجالس کی رسموں کا حصہ ہے اور ہر سال ایران، پاکستان، ہندوستان اور لبنان کے علاقوں میں برپا ہوتا ہے اور پاکستان کے بعض علاقوں

میں تو اہل السنۃ اور شیعہ کے درمیان خونی معرکے کا سبب بنتا ہے۔ فریقین کی سینکڑوں بے گناہ جانیں اس کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ اس پر تفصیل سے روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

جیسا کہ ہم گزشتہ فصل میں کہہ چکے ہیں کہ شیعہ کئی صدیوں سے عاشورہ محرم کا دن بطور یادگار مناتے ہیں۔ ان زیارتوں کی قرات کے علاوہ جن کا ہم تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں' اس دن شیعہ شعراء قبر حسنؓ کے پاس اپنے قصائد بھی پیش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک عربی شاعر "شریف رضی" نے جب قبر حسینؓ کے پاس اپنا "عصماء" نامی قصدہ پڑھا جس کا مطلع ہے ع

کربلاء لازلت کربا وبلا اور جب درج ذیل شعر پر پہنچا:

کم علی تربتک لما صرعوا

من دم سال و من قتل جری

"تیری قبر پر جب معرکہ بپا ہوا تو کس قدر خون بہا اور کتنے ہی قتل ہوئے"۔

تو رونے لگا اور اس قدر رویا کہ بے ہوش ہو گیا اور یہ بھی ثابت ہے کہ آئمہ شیعہ محرم کی دس تاریخ کو اہتمام سے مناتے' اپنے گھروں میں بیٹھ رہتے' زائرین سے تعزیتیں قبول کرتے' اس دن لوگوں کو کھانا بھی کھلاتے' ان کے سامنے حضرت حسینؓ اور رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کے فضائل اور ان کی شہادت کی یاد میں قصیدے پیش کرتے اور خطبے دیتے ہیں۔

زائرین کربلا میں اور قبر حسینؓ کے پاس جلوس کی صورت میں اور انفرادی طور پر گزرتے اور گریہ زاری کرتے ہوئے مذکورہ زیارتوں کی تلاوت کرتے ہوئے اور یہ بھی اس احتفال و زیارت کا حصہ ہوتا ہے اور یہ رسم جو شیعی دنیا میں امام حسینؓ کے لیے منعقدہ مجالس میں اب تک جاری ہے اس کا خاتمہ لازماً آہ و بکا پر ہوتا ہے۔ کیونکہ:

من بکی ا: تیا کر علی الحسین وجبت علیہ الجنہ۔

ترجمہ: "جو شخص حسینؓ کے غم میں رویا اور رکر ے آنسوے بہائے اس کے لیے جنت واجب ہے"۔

جیساکہ آئمہ کی طرف منسوب بعض روایتوں میں ذکر ہے (نعوذ باللہ کیا آئمہ ایسی بات کہہ سکتے ہیں)

ایسے ہی شیعہ امام حسینؓ کے غم میں محرم و صفر میں سیاہ لباس پہنتے ہیں اور اس سیاہ پوشی کی عادت نے اس وقت خاصی وسعت اختیار کر لی جب شیعہ اور تشیع میں پہلا معرکہ بپا ہوا اور جب شیعہ سیاسی اور اسلامی سٹیج پر ایک ایسی قوت بن کر ابھرے جو برسر اقتدار خلافت کو ملیامیٹ کر دینا چاہتی تھی۔

عاشورہ محرم کی تقریبات کی ترویج و ترقی میں بابویہی خاندان کا بھی بڑا واضح کردار ہے' جنھوں نے ایران و عراق پر خلافت عباسیہ کی حمایت کے نام سے حکومت کی لیکن ان محفلوں نے اس وقت عام رواج پکڑا اور شیعی طبیعت و مزاج کا گویا حصہ بن گئیں۔ جب شاہ اسماعیل صفوی نے زمام اقتدار سنبھالی اور ایران کو شیعت میں داخل کر دیا اور اہل ایران میں مذہب کے ساتھ خصوصی تعلق پیدا کر دیا تاکہ ایران کے پڑوس میں واقع ممالک خلافت عثمانیہ کے مقابلے میں ڈٹ جائیں جیساکہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں اور صفوی شاہی دربار ہر سال عشرہ محرم میں سوگ منانے کا اعلان کرتا اور عاشورا کے دن تقریب میں آنے والوں کا استقبال شاہ خود کرتا' شاہی محل سرا میں اس غرض سے خاص محفلیں منعقد ہوتیں' جس میں عام لوگ جمع ہوتے اور شاہ بذات خود ان میں حاضری دیتا۔ ایسے ہی شاہ عباس اول صفوی جس نے پچاس برس حکومت کی اور وہ شاہان صفوہ میں قوت 'گرفت' اور مکاری و عیاری میں سب سے بڑھا ہوا تھا وہ بھی عاشورہ محرم کو سیاہ لباس پہنتا اور اپنی پیشانی پر کیچڑ مل

لیتا اور جلوس جب امام کی مدح اور ان کے قاتلوں کے خلاف اظہار نفرت کرنے کے لیے مرثیے گاتے ہوئے سڑکوں پر چلتے تو شاہ مذکور ان کی قیادت کرتا تھا۔ (یہ سب چیزیں بعد کی پیداوار ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے)

زنجیرزنی کا شیعہ مذہب سے کوئی تعلق نہیں

ہمیں یہ تو باضبط معلوم نہیں ہو سکا کہ عاشورا کے دن آہنی زنجیروں سے کندھے پیٹنے کا آغاز کب ہوا اور ایران، عراق وغیرہ جیسے شیعی علاقوں میں اس رسم نے کب رواج پایا لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تلوار سے سرکوبی اور اسے زخمی کر کے عاشورا محترم کو حضرت حسینؓ پر اظہار غم کا طریقہ ایران اور عراق میں ہندوستان سے انگریزی استعمار کے زمانے میں شروع ہوا ہے اور انگریز شاطر نے شیعہ کی جہالت، سادگی اور امام حسینؓ کے ساتھ اندھی عقل سوز محبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں امام کے غم میں سرکوبی کی تعلیم دی۔

حتیٰ کہ ماضی قریب میں بھی بغداد اور تہران میں برطانوی سفارت خانے حسینی تعزیہ کے جلوسوں کی مدد کرتے رہے ہیں جو اسی مذکورہ بالا بدترین مظاہرے کی شکل میں گلیوں اور بازاروں میں چکر لگاتے تھے۔ انگریزی استعمار کے ان بدترین جلوسوں کی کارروائی کی ترویج و اشاعت کے پس پردہ انتہائی مکروہ سیاسی مقاصد تھے۔ وہ ان کی نمائش کو برطانوی عوام اور آزاد اخبارات کے سامنے جو حکومت برطانیہ کے ہندوستان اور دیگر اسلامی ممالک میں نوآبادیاتی نظام کی مخالفت کر رہے تھے بطور ایک معقول وجہ جواز کے پیش کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ ان ممالک کے عوام کے وحشیانہ مظاہرے سے یہ ثابت کر سکے کہ یہ قومیں کسی ایک تعلیم کی محتاج ہیں جو انہیں جہالت و بربریت سے نکال سکے۔ یہ تعزیتی جلوس جو دس محرم کو عام بازاروں کے چکر لگاتے، ان میں بھی

ہزاروں لوگ شریک ہوتے' جو آہنی زنجیروں سے اپنی پیٹھوں کو لہولہان کر لیتے' تلواروں اور خنجروں سے اپنے سروں کو زخمی اور خون آلود کر لیتے' ان کی تصویریں یورپ کے انگریزی اخبارات میں چھاپی جاتیں' اس سے شاطر سامراجی یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ جن اقوام کی ثقافت کا مظہر یہ تصویری جھلکیاں ہیں۔ نو آبادیاتی نظام کے ذریعے ان ممالک کے عوام کو شہریت و ترقی کے راستے پر گامزن کرنا ہماری انسانی ذمہ داری ہے۔

کہتے ہیں کہ عراق، میں انگریزی عہد اقتدار میں اس وقت کے عراقی وزیر اعظم یاسین ہاشمی جب انگریزی راج ختم کرانے کے لیے مذاکرات کرنے لندن گئے تو ایک انگریز نے ان سے کہا ہم تو صرف اس لیے عراق میں رکے ہوئے ہیں کہ عراقی قوم کو احمقانہ انارکی سے نکالیں تاکہ وہ ہم دوش سعادت ہو سکے۔ یاسین ہاشمی اس بات پر برافروختہ ہو کر غصے کی حالت میں کمرہ مذاکرات سے باہر نکل آئے تو انگریز نے ان سے بڑی لجاجت اور نرم خوئی سے معذرت کر لی۔ پھر پورے احترام سے ہاشمی کو عراق کے بارے میں ایک دستاویزی فلم دیکھنے کو کہا جس میں نجف' کربلا اور کاظمیہ کی شاہراہوں پر چکر لگاتے ہوئے تعزیہ حسین کے جلوس دکھائے گئے تھے. جو بڑے خوفناک اور قابل نفرت منظر پیش کر رہے تھے۔ گویا انگریز یہ کہنا چاہتا تھا کہ جس قوم میں ذرہ بھر بھی تہذیب کا حصہ ہو وہ خود اپنے ہاتھ یہ مار دھاڑ کر سکتی ہے؟

یہاں ایک پر لطف' روشن خیالی اور حکمت پر مشتمل مکالمہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ یہ گفتگو میں نے تیس برس قبل شیعہ فرقہ کے ایک بڑے عالم اور شیخ سے سنی تھی۔ وہ باوقار' کبیر الحسن شیخ دس محرم کے دن دوپہر بارہ بجے مقام کربلا میں روضہ حسینؓ کے قریب میرے پاس کھڑا تھا۔ اسی اثناء میں ایک جلوس ہنگڑا ڈالتا ہوا آیا۔ سروں کو تلواروں سے زخمی کیے ہوئے' غم حسینؓ میں خون بہاتا ہوا ایک اور جم غفیر روضہ حسینؓ پر وارد ہوا۔ پیشانیوں

اور پہلوؤں سے بھی خون بہہ رہا تھا۔ انتہائی قابل نفرت شکل میں جسے دیکھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے' پھر اس کے پیچھے ایک اور جلوس آگیا۔ وہ بھی بہت بڑی تعداد میں تھا اور زنجیروں سے اپنی کمریں پلیٹ کر اپنے آپ کو خون آلود کیے ہوئے تھے۔ ان جلوسوں کو دیکھ کر وہیں اس بوڑھے شیخ اور وسیع الظرف عالم نے کچھ سوالات کیے اور ہمارے مابین درج ذیل گفتگو ہوئی:

شیخ نے پوچھا: "ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے یہ خود ہی اپنی جانوں کو ان مصائب و آلام میں مبتلا کیے ہوئے ہیں؟"

میں نے کہا: "آپ سن نہیں رہے یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ ہائے حسینؓ ہائے حسینؓ تو پکار رہے ہیں جس کا مطلب واضح ہے کہ یہ ماتم حسینؓ میں اپنی یہ حالت بنائے ہوئے ہیں"۔

پھر شیخ نے نیا سوال کیا: "کیا حسینؓ اس وقت قادر مطلق بادشاہ کے پاس پاک مقام میں نہیں ہیں؟"

میں نے کہا: "یقیناً وہیں ہیں"۔

شیخ نے پھر پوچھا: "کیا اس وقت حسینؓ اس جنت میں نہیں ہیں جس کی چوڑائی آسمان و زمین کی طرح ہے وہ متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے؟"

میں نے کہا: "ہاں (بالکل اس جنت میں ہیں)"

شیخ نے سوال کیا: "کیا جنت میں بڑی بڑی آنکھوں والی نہ کیے ہوئے آبدار موتیوں کی طرح حوریں نہیں ہیں؟"

میں نے کہا: "ہیں"

شیخ نے ٹھنڈی آہ بھری اور رنج و غم سے بھرپور لہجے میں کہا "صد افسوس ان بد دماغ جاہل لوگوں پر کہ یہ اس وقت امام مرحوم کی خاطر اپنی یہ حالت بنائے ہوئے ہیں جب کہ امام اسی لمحے جنت اور اس کی نعمتوں میں ہیں اور دائم نوجوان' خدمت گزار ان کے آس پاس آفتابے' آب خورے اور

شراب ناب کے گلاس لے کر پھر رہے ہیں۔

ماتم، سینہ کوبی اور زنجیر زنی کی حرمت

۱۳۵۲ ہجری میں جب شام کے سب سے بڑے شیعی عالم سید محسن امین عالمی نے ان جیسے اعمال کے حرام ہونے کا اعلان کیا اور اپنی رائے کے اظہار میں عدیم النظیر جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیعہ سے مطالبہ کیا کہ وہ یہ طوفان برپا کرنے سے باز آ جائیں تو انہیں علماء کی صفوں میں سے ہی بعض مذہب کے ٹھیکیداروں کی طرف سے بڑی زوردار مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور مذہب کے ان اجارہ داروں کے پیچھے حضرت علیؓ کے الفاظ میں "کمینے، بے لگام اور بیوقوف" لوگوں کی طاقت تھی اور قریب تھا کہ سید امین کے یہ اصلاحی اقدامات ناکامی سے دو چار ہوتے اگر ہمارے دادا مرحوم سید ابوالحسن شیعہ کے زعیم اعلیٰ کی حیثیت سے ان کے موقف کی تائید کر کے ان کی پشت پناہی نہ کرتے، جد امجد نے ان اعمال کے خلاف سید امین کی رائے کے حق میں غیر مشروط تائیدی اعلان کیا اور اس کی حمایت میں فتویٰ جاری فرمایا۔

سید امین کی اصلاحی تحریک کے حق میں ہمارا دادا مرحوم کے تائیدی موقف کے بڑے دور رس اثرات ظاہر ہوئے۔ اگرچہ سید ابوالحسن کے خلاف بھی کئی مجتہدین اور فقہاء نے آواز اٹھائی جیسا کہ اس سے قبل سید امین کا ان سے پالا پڑا تھا مگر سید ابوالحسن نے بالآخر اپنے ارفع و اعلیٰ مقام و مرتبہ کی وجہ سے سب کو زیر کر لیا اور جمہور شیعہ نے اس بزرگ ترین راہنما کا فتویٰ تسلیم کرتے ہوئے اس کی اطاعت شروع کر دی اور آہستہ آہستہ ان اعمال شیعہ میں کمی واقع ہونے لگی اور یہ شیعیت کی سکرین سے غائب ہونے لگے لیکن اس کے آثار بالکل مٹنے نہ پائے تھے بلکہ کچھ کمزور سے مظاہر ابھی باقی تھے کہ جد امجد رحمہ اللہ ۱۳۶۵ میں وفات پا گئے تو شیعیت کی نوخیز لیڈر شپ

نے نئے سرے سے لوگوں کو ان اعمال کے لیے اکسانا شروع کر دیا اور ان کے اثرات پھر سے شیعی دنیا میں رونما ہونے لگے لیکن وہ صورت حال دوبارہ نہیں آئی جو ۱۳۵۲ھ سے پہلے تھی۔

اور جب ایران میں اسلامی جمہوریت کا اعلان ہوا اور اقتدار پر "ولایت فقیہ" نے قبضہ کیا تو مذہبی سیاست کے حصے کی حیثیت سے ان اعمال کے احیاء کے لیے احکام صادر ہوء اور تازہ دم اسلامی جمہوریہ نے پوری دنیا میں موجود شیعہ کو مالی اور اخلاقی مدد کر کے اس بدعت کے احیاء کے لیے برانگیختہ کیا جسے انگریزی استعمار نے دو سو برس قبل عالم اسلام کے شیعی علاقوں میں رواج دیا تھا۔ انگریز کا مقصد یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کا یہ قبیح اور بدنما مظہر دنیا کے سامنے پیش کر کے عالم اسلام پر اپنے استعمار کا جواز حاصل کر سکے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اس وقت جب میں یہ سطور لکھ رہا ہوں صد افسوس کہ پاکستان، ایران، ہندوستان اور لبنان کے شہروں میں دس محرم کو ہر سال بڑے بڑے جلوسوں کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ بالکل اسی وحشیانہ صورت میں سڑکوں پر گشت کرتے ہیں جس کی ہم تصویر کشی کر چکے ہیں اور پھر اسی روز خوفناک جنون اور انسانی حماقت کی منہ بولتی تصویریں مشرق و مغرب کی ٹی وی سکرین پر دنیا کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تاکہ اسلام اور مسلمانوں پر برے وقت کا انتظار کرنے والے دشمنان اسلام کی تقویت کا باعث بنیں۔

(ممتاز شیعہ عالم کی زبان سے حقیقت پسندی کا یہ اعلان عجائبات سے کم نہیں)

اصلاح

امامیہ شیعہ کے تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ جاہل

عوام کو ہر ممکن کوشش کر کے اس قسم کے کاموں سے روکیں جنہوں نے حضرت امام حسینؓ کی انقلابی تحریک کا چہرہ مسخ کر کے اس کی شکل بگاڑ دی ہے اور مبلغ اور واعظ حضرات پر تو اس سے بھاری ذمہ داری ہے کہ وہ اس بارے میں واضح ترین کردار ادا کریں۔ یہاں میں پوری صراحت و وضاحت سے اس حقیقت کا اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ عاشورہ محرم کو شہادت حسینؓ کا مقصد و سبب اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ تھا جس کی تصویر آج شیعہ پیش کرتے ہیں۔ آپ نے ہرگز جام شہادت اس لیے نہیں نوش کیا تھا کہ لوگ ان کے غم میں روئیں، چہرے پیٹیں اور درماندہ و مسکین کی سی صورت اختیار کریں بلکہ امام ممدوح تو ظلم و استبداد کے مقابلے میں شجاعت و بہادری، عزم بالجزم اور جان تک قربان کر دینے کا موثر ترین درس دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ (اگر ضروری بھی ہو تو) شہادت حسینؓ کی یاد میں منعقد محفل امام کے مقام و مرتبہ کے شایان شان اور طوفان بدتمیزی، جہالت، بیک وقت مضحکہ خیز اور رلا دینے والے اعمال سے ہٹ کر ہونی چاہیے۔ وہ ثقافتی اجتماعات کس قدر خوبصورت ہوں جن میں بلیغ خطبے اور قصائد پیش کیے جائیں جو راہ حق میں جان دینے اور جہاد کرنے سے متعلق ہیں۔

اس طریقے سے تعمیری انداز میں حسینؓ کی یاد میں اپنی تربیت کرنی چاہیے۔ تخریبی انداز اختیار کر کے اپنے کو ہلاک نہیں کرنا چاہیے اور ہم پر یہ فرض ہے کہ حمایت و مدافعت کے میدان میں حسینؓ کا حق ادا کریں نہ کہ مسئلے کا حلیہ بگاڑ کر موصوف کے ساتھ اہانت و بدسلوکی کے مرتکب ہوں۔ اگر ہم امام حسنؓ کے ساتھ محبت و نصرت کا جذبہ صادق رکھتے ہیں تو ہمیں مذکورہ طریقہ کار اختیار کرنا ہو گا۔

شیعہ عالم کی تصریحات کے بعد

یہ تھا شیعہ مذہب کا وہ نقشہ جو عصر حاضر کے ایک شیعہ عالم اور نجف اشرف عراق کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب اور امام کے صاحبزادے ڈاکٹر موسیٰ موسوی کی زبانی آپ نے ملاحظہ فرمایا۔

ڈاکٹر موسوی کی کتاب اصلاح الشیعہ سے چند اقتباس نقل کر کے ہم نے ایک طرف شیعہ مذہب کے اصلی عقائد سے ان کے انحراف کا نقشہ دکھایا ہے۔ دوسری طرف ہم ناظرین کے سامنے یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ شیعہ مذہب کے موجودہ عقائد خود ان کے اپنے آئمہ اور قرون اولیٰ کے مقتداؤں اور پیشواؤں کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ ڈاکٹر موسیٰ کے بقول حضرت علیؓ کی خلفاء ثلثہ کی بیعت اور باہمی تعلقات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء راشدینؓ کی تکفیر اور تنقیص سے حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔

آگے چل کر ہم دیگر آئمہ اہل بیت کی طرف سے شیعہ مذہب کے موجدوں اور راویوں کے بارے میں خود شیعہ کتب ہی سے ایسی ہدایات پیش کریں گے، جس سے اس مذہب کی ثقاہت و استناد اور شرعی حیثیت کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

جس مذہب کے راویوں کے کذاب اور مبالغہ آرائی کا حامل ہونے کی صراحت اس کے اساطین واضح طور پر کر چکے ہوں، اسے محمدی شریعت کے ساتھ نتھی کرنا پرلے درج کی حماقت اور جہالت ہے۔

کفریہ عقائد اور اسلام کو یکجا کرنے والا محمدی شریعت کا بہت بڑا باغی ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ شیعہ کے نامور عالم دین نے اعتراف حقیقت

اور معرفت اہلبیت کی روشنی میں کس قدر کھلے دل سے دنیا بھر کے شیعہ کو کس درد بھرے انداز میں دعوت فکر دی ہے۔

صحابہ کرامؓ کے خلاف شیعہ کے تکفیر فتاویٰ جات اور تحریف قرآن، متعہ، تقیہ اور ماتم کو آئمہ اہلبیت کی تعلیمات سے انحراف قرار دے کر جمہور مسلمانوں کے مسلک و مذہب کی حقانیت پر بھی یک گونہ مہر تصدیق ثبت کر دی ہے......

شیعہ عالم کی ان تصریحات کی روشنی میں ہم نے "تعلیمات آل رسول" کو شیعہ کی جدید نسل کے سامنے آشکار کیا ہے۔ ہمارا مدعا حضرت علیؓ اور آپ کی اولاد کی سچی تعلیمات سے بھولی بسری نئی شیعہ نسل کو ہم آغوش کرنا ہے۔ ہم چاہتے ہیں آئمہ اہلبیتؓ سے کئی سو سال کے بعد وضع کیے جانے والے مذہب کے مقابلے میں خاندان نبوت کی حقیقی تعلیمات عام ہوں..... اس کے لیے شیعہ عالم کی حقیقت پسندانہ تصریحات کو بطور تائید پیش کیا گیا ہے۔

ALHAIDRI MEDIA CELL

الحیدری میڈیا سیل

چوتھا باب

ارکان اسلام کے بارے میں آئمہ اہلبیتؓ کے عقائد و نظریات

کلمہ طیبہ کے بارے میں آئمہ اہلبیتؓ کی تعلیمات

حضرت علیؓ اور آپ کی اولاد کے مقدس بزرگوں کے عقائد و نظریات وہی تھے جو چودہ سو سال سے امت مسلمہ کی طرف سے ان کے اساسی اور بنیادی مجموعوں میں موجود ہیں۔ شیعہ کی طرف سے جعلی اور من گھڑت روایات اور جھوٹے افسانہ نگاروں کی طرف سے گھڑے گئے مذھب کا تعارف عہد انحراف کے عنوان کے تحت گزشتہ کتاب میں شیعہ عالم کی زبانی آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ زیر نظر سطور میں ہم آئمہ اھل بیتؓ کی وہ تصریحات اور آپ کے وہ مقدس فرامین پیش کریں گے، جن سے شیعہ کتب ہی کے ذریعے اہل اسلام کے مسلک و مذھب کی حقانیت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔ شیعہ نے جن آئمہؓ کے نام سے اپنے مذھب کی عمارت کھڑی کی ہے، ان کی تعلیمات میں کوئی ایک جملہ بھی اس من گھڑت مذھب کی تائید نہیں کرتا۔

آیئے ہم سب سے پہلے اسلام کے پہلے رکن اور مسلمانوں کے کلمہ طیبہ کے بارے میں آئمہ کے نظریات پیش کرتے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو کہ شیعہ کی بنیادی اور اساسی کتابوں میں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے دو اجزاء کے ساتھ "علی ولی اللہ" "وصی رسول

اللہ" و "خلیفتہ بلا فصل" کے تین اجزاء کو شامل کر کے کلمہ طیبہ کے پانچ اجزاء بنا دیے گئے۔ حضرت علیؓ اور آپ کی اولاد کے اساطین میں بھی کسی نے کلمہ طیبہ کے ساتھ ان اجزاء کے الحاق کا قول کیا ہے؟ یا یہ سب کچھ تیسری صدی کے بعد جھوٹے راویوں کی خامہ فرسائی ہے؟

حضرت علیؓ کے سامنے حضور ﷺ نے

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کے کلمہ کی تصریح کی

شیعہ کی معرکۃ الآرا کتاب "کشف الغمہ" میں آنحضرت ﷺ نے بروز حشر اپنے جھنڈے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

و یدفع الیک یوالی یوم القیمہ و طولہ مسیرہ الف سنتہ سنانہ یاقوتہ حمراء قضیبہ فضہ بیضاء و زجہ درہ خضراء اولہ ثلث ذوائب من نور ذوابہ فی المشرق و ذوابہ فی المغرب و الثالثہ وسط الدنیا مکتوب علیہ ثلثہ اسطر الاول بسم اللہ الرحمن الرحیم و الثانی الحمد للہ رب العلمین و الثالث لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ طول کل سطر میسرہ الف سنہ

("کشف الغمہ" معرفۃ الائمہ، جلد اول، ص ۲۹۵، فی انہ اقرب الناس برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مطبوعہ تبریز، جدید)

ترجمہ: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ

کو فرمایا بروزِ حشر تمہیں میرا مخصوص جھنڈا عطا کیا جائے گا۔ اس کی لمبائی ایک ہزار سال چلنے کی مسافت کے برابر ہو گی۔ اس جھنڈے کا اوپر والا حصہ سرخ یاقوت سے بنا ہو گا۔ اس کی لٹھی (بانس) سفید چاندی کی ہو گی اور اس کا پیکان سبز موتی کا ہو گا۔ اس کی تین شاخیں ہوں گی جو نور کی ہوں گی۔ ایک شاخ مشرق، دوسری مغرب اور تیسری دنیا کے درمیان ہو گی۔ اس جھنڈے پر تین سطریں تحریر ہیں۔ ایک سطر میں بسم اللہ الرحمن الرحیم، دوسری پر الحمد للہ رب العالمین اور تیسری پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تحریر ہے۔ ان میں سے ہر ایک سطر کی لمبائی ایک ہزار سال کی مسافت کے برابر ہے"۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی شادی کے وقت پہاڑوں نے دو جزو والا کلمہ پڑھا

ملا باقر مجلسی نے "حیات القلوب" جلد دوم، ص ۱۸۲ پر تحریر کیا ہے:

کوہ ہائے مکہ شادی کردند و بلند شدند درختاں و مرغاں و ملائکہ بہ آواز بلند کردند گفتند لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

("حیات القلوب" جلد دوم، ص ۱۸۲، باب پنجم فضائل حضرت خدیجہ (الخ) مطبوعہ لکھنؤ قدیم)

ترجمہ: "(جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عقد شریف حضرت

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوا تو مکہ شریف کے تمام پہاڑوں نے خوشی منائی اور خوشی میں اور بلند ہو گئے۔ تمام درختوں اور پرندوں اور بھی فرشتوں نے بلند آواز سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا"۔

امام جعفر صادقؒ کی طرف دو جزوالے کلمہ کی ایک اور تصریح

"حلیۃ الابرار" جلد دوم، ص ۱۴۱ پر ہے:

قال صادق علیہ السلام فی کلمہ دعائیہ: الہی لئن امرت بی الی النار لاخبرن اھلھا انی کنت اقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

("حلیۃ الابرار" جلد دوم، ص ۱۴۱، الباب الثالث، مطبوعہ قم ایران، طبع جدید)

ترجمہ: "(حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دعائیہ کلمات میں یوں کہا) اے اللہ! اگر تو نے مجھ سے میرے گناہوں کا مطالبہ کیا تو میں تجھ سے تیری رحمت اور تیرے کرم و فضل کا سوال کروں گا اور اگر تو نے مجھے گناہوں کی وجہ سے دوزخ کی آگ کی طرف جانے کا حکم دیا تو میں تمام دوزخیوں کو یہ لازماً بتاؤں گا کہ میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھا کرتا تھا"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان دو جزوں والے

۲

کلمہ کی تصریح

شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی نے "حیات القلوب" جلد دوم، ص ۱۳۱ پر تصریح کی ہے:

در وقتیکہ ہنوز روح آدم ببدنش تعلق نہ گرفتہ بود پس اسرافیل مہرے بیروں آورد کہ در او دو سطر نوشتہ بود۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پس آں مہر را درمیان دو کتف آنحضرت گزاشت تا نقش گرفت۔

("حیات القلوب" جلد دوم، ص ۱۳۱، باب چہارم، حالات آنحضرت از ایام رضاع تا بعثت، مطبوعہ لکھنؤ، طبع قدیم)

کلمہ طیبہ دو جزو والا ہے.... حضرت امام جعفر صادقؓ کی تصریح

حضرت ابوذر غفاریؓ کون سا کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہوئے

شیعہ مجتہد نے اپنی معرکۃ الارا کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" اور اصول کافی میں انسان کی جان نکلنے کے وقت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت امام جعفر صادقؓ کی یہ تصریح نقل کی ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی طرف سے ان کے اسلام لانے کا واقعہ یوں نقل کیا گیا ہے:

"جب میں (ابوذر) مکہ میں پہنچا تو میں نے ابو طالب سے ملاقات کی تو ان سے جب میں نے اپنا مقصد بیان کیا تو انہوں نے مجھے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر بھیجا تو جب امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو

انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم کس لیے آئے ہو تو میں نے عرض کی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا ان سے تمہیں کیا کام ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں ان پر ایمان لانا چاہتا ہوں اور ان کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں اور جو مجھے حکم دیں گے میں اس کی اتباع کروں گا تو آپ نے فرمایا کہ تو شہادت دیتا ہے اس بات کی ان لا الہ الا اللہ وان محمد ارسول اللہ تو ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں نے شہادت دی تو انہوں نے پھر مجھے جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور انہوں نے بھی مجھ سے امیر حمزہ رضی اللہ کی طرح سوال وجواب کیے اور اس کے بعد فرمایا اتشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ تو میں نے کہا اشہدت یعنی میں نے گواہی دی اس کے بعد انہوں نے مجھے حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیا تو ان سے بھی میری امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی سی بات ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اتشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمد الرسول اللہ تو میں نے کہا شہدت اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تو جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور میں نے سلام عرض کیا اور بیٹھ گیا تو آپؐ نے مجھے فرمایا کس لیے آئے ہو تو میں نے عرض کی کہ تم میں نبی مبعوث ہوئے ہیں تو آپؐ نے فرمایا تمہیں ان سے کیا کام ہے تو میں نے عرض کی کہ میں ان پر ایمان لانا چاہتا ہوں اور ان کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں اور مجھے کسی چیز کا حکم نہیں دیں گے مگر میں ان کی اطاعت کروں گا اس پر آپؐ نے فرمایا اتشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمد ارسول

اللہ فقلت اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمد
ارسول اللہ"۔

(۱۔ "فروع کافی" جلد ۸ "کتاب الروضہ" ص ۲۹۸ "حدیث اسلام ابوذر"
مطبوعہ تہران' طبع جدید)

(۲۔ "حیات القلوب" جلد دوم' ص ۱۱۳۲' باب ششم در حال ابوذر غفاری'
مطبوعہ نو لکشور' طبع قدیم)

حضرت مولانا محمد علی کی یادداشت

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے جو کتب شیعہ میں سے مذکور ہوا' صاف صاف معلوم ہو گیا کہ اگر کسی غیر مسلم کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کی نوبت آتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی المرتضیٰ'، جناب امیر حمزہؓ اور حضرت جعفر طیارؓ نے انہیں وہی کلمہ پڑھنے اور گواہی دینے کو کہا جو اہل سنت و جماعت کا کلمہ ہے۔ جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ توحید دوسروں کو سکھایا اور ان سے پڑھوایا اور حضرات صحابہ کرامؓ نے اسی کو اپنایا تو پھر اس کی صداقت میں کون شک کر سکتا ہے جب کہ یہی کلمہ "کلمہ حق" ٹھہرا۔ تو وہ کلمہ جو اہل تشیع نے گھڑ رکھا ہے' وہ بالکل ناحق اور باطل ہے۔ لہٰذا شیعہ لوگوں سے میری درخواست ہے کہ وہ اپنے ذاکرین و واعظین کو اپنی کتابوں کی یہ عبارت دکھلائیں اور انہیں تلقین کریں کہ وہ خود بھی کلمہ توحید کے بارے میں انہی کلمات کی اتباع کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی انہی الفاظ کو اپنایا اور دوسروں کو بھی اس کی اتباع کرنے کو کہیں۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی مفید ہو گی۔ نہ کہ ان ذاکرین و واعظین کی۔ قبر میں اگر کسی نے کام آنا ہے تو وہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔ یہ ذاکرین وغیرہ ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ہی شفاعت فرمائیں گے جو آپ کی اتباع کرتے رہے ہوں گے۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

امام باقرؒ کی طرف سے دو جز والے کلمہ طیبہ کی صراحت

عن ابی جعفر علیہ السلام قال من قال اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ کتب اللہ لہ الف الف حسنہ

("اصول کافی" جلد دوم، ص ۵۱۸، طبع تہران جدید)

ترجمہ: "امام محمد باقرؒ [illegible] سے مروی ہے کہ جس نے اشھد ان لا الہ الا اللہ (الخ) پڑھا، اللہ نے اس کو دس لاکھ نیکیاں عطا کیں۔

تلقین میت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دو جز والے کلمہ کی صراحت

من لا یحضرہ الفقیہ:

وقال الصادق علیہ السلام ما من احد یحضرہ الموت الا و کل بہ ابلیس من شیاطینہ من یامرہ بالکفر و یشککہ فی دینہ حتی یخرج نفسہ فاذا حضرتم

موتاکم فلقنوھم شھادہ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ حتی یموتوا

(ا۔ "من لا یحضرہ الفقیہ" جلد اول، ص ۴۰، فی تلقین المیت (الخ) مطبوعہ لکھنؤ)

(۲۔ "فروع کافی" جلد ۳، ص ۱۲۳، باب تلقین المیت، مطبوعہ تہران، طبع جدید)

ترجمہ: "امام جعفر صادق رح سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو ابلیس اس مرنے والے پر اپنا ایک شیطان مقرر کر دیتا ہے جو اسے کفر اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے اور دین کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ کوشش اس کی روح نکلنے تک جاری رہتی ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کسی پر موت آئے تو دوسرے لوگوں کو مرنے والے کے قریب حاضر ہونا چاہیے اور اسے اس کلمہ شہادت کی تلقین کرنی چاہیے اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد اعبدہ ورسولہ تلقین کرتے رہو یہاں تک کہ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے"۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی کلمہ اہل سنت کی تبلیغ کی

ارشاد شیخ مفید:

فقالوا لہ من الرجل قال انا رسول اللہ اما ان تقولوا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ اولا ضربکم بالسیف۔

(ارشاد شیخ مفید، ص ۶۰، فی غزوہ ذات السلاسل)

ترجمہ: "حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسلام کی تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تو لوگوں نے پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی ہوں۔ تمہارے لیے دو ہی باتیں ہیں یا تو یہ کلمہ پڑھ لو اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ یا پھر میں تمہیں تلوار سے سیدھا کروں"۔

کلمہ طیبہ کے بارے میں شیعہ کی اپنے آئمہ سے بغاوت

ایک شیعی مجتہد محمد احسن زیدی نے اپنی تصنیف "کلمہ اور نماز" میں سید علی ہمدانی کی کتاب مودۃ فی القربیٰ سے یہ روایت نقل کی ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکتوب "علی باب الجنہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" علی اخ رسول اللہ۔

ترجمہ: "کوئی اور معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے، محمد اللہ کے رسول ہیں اور علی رسول اللہ کے بھائی ہیں"۔

حضرت امام جعفر صادقؒ کی طرف من گھڑت کلمہ کی نسبت

شیعہ مولف غلام حسین نجفی نے اپنی کتاب "رسالہ طیبہ" ص ۱۰ پر تحریر کیا ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے زمین و آسمان کو خلق کیا تو:

امر منادیا فنادی اشھد ان لا الہ الا اللہ ثلاثا اشھد ان محمد رسول اللہ ثلاثا اشھد ان علیا امیر المومنین حقا ثلاثا۔

("کافی شریف")

ترجمہ: "ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ ندا دے تو اس نے تین مرتبہ لا الہ الا اللہ اور تین مرتبہ محمد رسول اللہ اور تین مرتبہ علی ولی اللہ کا اعلان کیا"۔ (رسالہ کلمہ طیبہ، ص ۱۰)

پانچواں باب

قرآن عظیم کے بارے میں آئمہ اہلبیتؑ کی تعلیمات

قرآن عظیم خدا کی ایسی کتاب ہے، جس کا آغاز ہی اس آیت سے ہو رہا ہے:

الم ذلک الکتاب لاریب فیه.

ترجمہ: "یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں"۔

اس کی حفاظت و صیانت کے بارے میں خدائی ارشاد ہے:

انا نحن الذکر وانا له لحفظون

ترجمہ: "ہم نے اس کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔

خدائی حفاظت کی چادر کے بعد دنیا کا کوئی مسلمان یہ تصور ہی نہیں کر سکتا کہ وہ اس کی کسی آیت، سورۃ، رکوع یا پارہ کے تحریف و تبدل کا عقیدہ رکھے۔

آنحضرت ﷺ کے دور میں جن آیات کی تلاوت یا مفہوم منسوخ ہوا، وہ بھی وحی الٰہی کے خدائی حکم کی روشنی میں تھا۔ ان آیات کو قرآن کی زبان میں ناسخ و منسوخ کہا گیا ہے۔ جب کہ کسی انسان کی طرف سے اس کی آیات میں تبدیلی کا گمان بھی کسی مسلمان کے حاشیہ خیال میں ممکن نہیں۔ خود قرآن کا بیان ہے:

ان علینا جمعه وقرآنه.

"اس قرآن کو جمع کرنے کی ذمہ داری بھی ہم پر ہے"۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عہد صدیقی میں جب مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ لڑی گئی اور اس میں ۷۰ سے زائد حفاظ قرآن شہید ہوئے تو حضرت عمرؓ نے رائے دی کہ قراء اور حفاظ کی پے در پے شہادتوں کے باعث خطرہ ہے کہ قرآن کی صحت و حفاظت کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے۔ اس کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم سے درختوں کے پتوں، چمڑے کے پرتوں اور لکڑی کی تختیوں پر تحریر شدہ تمام قرآنی آیات کا دفتر جمع کیا گیا۔ مدینہ منورہ اور اطراف کے تمام حفاظ اور قراء کی موجودگی میں قرآن عظیم کو پہلی مرتبہ صفحہ قرطاس پر محفوظ کر دیا گیا۔

اس طرح ان علینا جمعه و قرآنه کا خدائی وعدہ حضرت صدیق اکبرؓ کے دور میں صحابہ کرامؓ کے اجماع اور اتفاق سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔

حضرت عثمانؓ کے دور میں تمام صوبوں اور اہم علاقوں کی تعداد کے مطابق قرآن پاک کے تمام نسخے کتابت کے زیور سے آراستہ کر کے دنیا بھر میں پھیلائے گئے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے عہد عثمانی میں ۷۰ بحری جہازوں کے ذریعے قرآن عظیم کو تین سو جزیروں میں پہنچایا۔ قرآن عظیم کی جمع و ترتیب کے اس عظیم الشان کام میں حضرت علیؓ برابر شریک رہے۔

آپ نے عہد صدیقیؓ، عہد فاروقیؓ، عہد عثمانیؓ میں قرآن عظیم کی تبویب، تصویب اور ترتیب و تدوین میں نہ صرف یہ کہ کوئی اختلاف نہ کیا بلکہ مفید مشوروں سے خلفاء کو نوازتے رہے۔

قرآن عظیم کی موجودہ کیفیت ساری دنیا کے سامنے ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے لے کر حضرت علیؓ کے عہد خلافت تک قرآن عظیم دو گتوں کے درمیان محفوظ ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے دور نبوت میں قرآن

صفحہ قرطاس پر منتقل نہیں ہوا تھا۔ پہلے تین خلفاء کا ۲۴ سالہ عہد جہاں ایک طرف خلافت راشدہ کے تابندہ آفتاب سے عبارت رہا۔ وہاں اس عہد میں قرآن عظیم جیسی اولوالعزم خدائی دستاویز بھی جمع و ترتیب کے زیور سے آراستہ ہو کر ابدی حفاظت کے خلعت سے آراستہ ہو گئی۔ کاغذ کے صفحات نے خدائی جواہرپاروں کو نقش دوام کی دولت سے مالامال کر کے صبح قیامت تک کے لیے اس کے الفاظ کو چمکتے ہوئے موتیوں اور روشن جواہرات کی صورت میں اقوام عالم کے سامنے پیش کر دیا۔

قرآن عظیم کی معجزانہ حیثیت صرف اسی صورت میں مانی جا سکتی ہے جب کہ اس کے ایک ایک حرف کو خدا کی طرف سے من و عن نازل شدہ مجموعہ تسلیم کیا جائے۔ مسلمانوں کا کوئی گروہ اس کی عظمت و حفاظت میں دو رائے نہیں رکھتا۔ حنفیؒ، شافعیؒ، حنبلیؒ اور مالکیؒ چاروں فقہی مکاتب فکر اس کے مکمل ابدی ہونے اور غیر محرف و ناقابل تغیر صورت میں آج تک قائم رہنے پر متفق ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور میں تراویح میں جو قرآن تلاوت کیا جاتا تھا، وہ یہی قرآن تھا۔ گھر گھر میں جس قرآن کی تلاوت ہوتی تھی، وہ یہی تیس پاروں، ۱۱۴ سورتوں اور ۶۶۶۶ آیات والا قرآن تھا۔

اس پورے عہد میں حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت مقدادؓ بن اسود، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ سمیت خاندان نبوت کے کسی فرد اور آنحضرت ﷺ کے کسی صحابی نے کتاب کی ثقاہت و استناد پر کوئی کلام نہیں کیا۔

حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت کے ساڑھے پانچ سالہ دور میں اسی

قرآن کو مملکت کی اساس قرار دیا۔ یہی تیس پاروں والا قرآن آپ کے دور میں مملکت کی ہزاروں مساجد میں پڑھایا جاتا رہا۔ حضرت علیؓ یا آپ کے صاجزادوں میں کسی کی طرف سے اس کے اصلی نہ ہونے پر کوئی صراحت نہیں ملتی۔

شیعہ نے جس طرح کلمہ طیبہ کی تحریف اور صحابہ کرامؓ کی تکفیر کے سلسلے میں بعض جھوٹے راویوں کی طرف سے آئمہ اہل بیتؓ کی طرف من گھڑت اور شریعت محمدیہ کے اصول و قواعد کے خلاف باتیں منسوب کیں۔ اسی طرح قرآن عظیم کے بارے میں بھی آئمہ کی طرف ایسی روایات منسوب کی گئی ہیں۔

حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے تحریر کردہ قرآن کے دو نسخوں کی نمائش

۱۹۸۰ء کے آغاز میں یمن کے میوزیم میں حضرت علیؓ کے تحریر کردہ قرآن عظیم کے ایک نسخے کی نمائش کی گئی۔ عالمی اداروں نے اس کی ویڈیو کیسٹیں تیار کیں۔ سعودی حکومت نے اس کا پورا خاکہ سونے کے پرتوں پر منتقل کیا۔

ادھر ترکان عثمان کے قدیم دور سے استنبول (قسطنطنیہ) کے میوزیم میں حضرت عثمانؓ کا کتابت شدہ نسخہ قرآن موجود ہے۔

خطاطی کے ماہرین اور عالم اسلام کے عظیم مفکروں نے قرآن کے دونوں نسخوں کے ایک ایک لفظ کو ہم آہنگ قرار دے کر اسے ایک دوسرے کا پرتو قرار دیا۔ آج بھی یمن اور استنبول کے عجائب گھروں سے قرآن کے دو نسخوں کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

ان نسخوں کے آشکار ہونے کے بعد قرآن کے بارے میں حضرت علیؓ

اور خاندان نبوت کے نظریات کی بخوبی نشاندہی ہو جاتی ہے۔

حضرت علیؓ کے نسخہ قرآن سے یہ بات واضح ہو گئی کہ چودہ سو سال سے دنیا بھر کے مسلمان جس قرآن عظیم کے جس صحیفہ عثمانی پر ایمان رکھتے ہیں، جسے تمام مسلمانوں نے اصلی نسخہ قرار دیا ہے، حضرت علیؓ کا نسخہ بھی اسی کا مماثل ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حضرت علیؓ اور مسلمانوں کا نسخہ قرآن ایک ہی چیز ہے۔

اس نسخہ قرآن کی دریافت کے بعد شیعہ کی درج ذیل روایات پر غور کیجئے اور سر دھنئے کہ کس طرح قرآن عظیم کی ثقاہت و استناد اور حفاظت و صیانت کے اسلامی نظریے پر کلماڑا چلایا گیا ہے۔

شیعہ نے قرآن عظیم کے بارے میں بھی دنیا بھر کے مسلمانوں سے جدا اور علیحدہ نظریہ اپنایا ہے۔ اس نظریے کا نہ تو حضرت علیؓ اور آپ کی اولاد کے کسی فرد سے کوئی تعلق ہے، نہ ہی شیعہ کی ان من گھڑت روایات کو دنیا کے کسی بھی مسلمان کی تائید حاصل ہے۔

تحریف کلمہ طیبہ اور تکفیر صحابہ کرامؓ کی طرح حفاظت قرآن کے عقیدے میں بھی شیعہ امت مسلمہ سے الگ سوچ کے حامل ہیں۔ یہ عقیدہ بھی شیعہ نے اپنے آئمہ کی غلط باتوں کو صحیح ثابت کرنے کے لیے گھڑا ہے۔ جس طرح شیعہ نے عقیدہ امامت کے اثبات کے لیے دین اسلام کی جڑوں کو اکھاڑنے میں کسی مدافعت سے کام نہیں لیا، اسی طرح تحریف قرآن کے بارے میں ان کی تمام اصولی اور بنیادی کتابوں میں کسی قسم کے شک و ریب کا اظہار نہیں۔ حضرت علیؓ اور اولاد کے نظریات کے برعکس شیعہ کی بنیادی کتابوں نے قرآن کے بارے میں درج ذیل نقطہ پیش کیا ہے:

قرآن مجید کے بارے میں شیعہ کے عقائد

- تحریف اور تغیر و تبدل کے واقع ہونے میں قرآن' تورات و انجیل ہی کی طرح ہے۔ اور منافقین امت پر مسلط ہو کر حاکم بن گئے وہ قرآن میں تحریف کرنے کے بارے میں اسی طریقہ پر چلے جو طریقہ بنی اسرائیل نے اختیار کیا۔ (فصل الخطاب' ص ۷۰' بحوالہ بینات' ص ۶۴)
- وہ قرآن جو جبرئیل' محمد ﷺ پر لے کر نازل ہوئے تھے اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔ (اصول کافی' ص ۶۷۱' بحوالہ بینات' صفحہ ۵۶)
- اصل قرآن میں بہت سا حصہ ساقط کر دیا گیا ہے۔ ("صافی شرح اصول کافی" جز ششم' صفحہ ۷۵' بحوالہ ایضاً' ص ۵۶)
- جو روایات صاف طور پر بتاتی ہیں کہ قرآن میں عبارت' الفاظ اور اعراب کے لحاظ سے تحریف ہوئی ہے ان روایات کے صحیح ہونے اور ان کی تصدیق کرنے پر ہمارا اصحاب کا اتفاق ہے۔ (بحوالہ ایضاً' ص ۶۵)
- یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ جو قرآن ہمارے پاس ہے وہ پورے کا پورا اس طرح نہیں ہے جس طرح محمد ﷺ پر نازل ہوا تھا بلکہ اس میں کچھ حصہ ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے قرآن کے خلاف ہے اور کچھ حصے میں تغیر و تحریف واقع ہوئی ہے اور اس میں سے بہت سی چیزیں نکال دی گئی ہیں۔ (دیباچہ تفسیر صافی' بحوالہ احسن الفتاویٰ' جلد ۱' صفحہ ۷۵)
- قرآن میں سے جو کچھ نکالا گیا ہے' یا اس میں تحریف اور رد و بدل کیا

گیا ہے اگر میں ان سب کو بیان کروں تو بات بہت لمبی ہو جائے اور وہ چیز ظاہر ہو جائے جس کے اظہار کی تقیہ اجازت نہیں دیتا۔ (احتجاج طبرسی، مطبوعہ ایران، ص ۱۲۸، بحوالہ ایضاً، صفحہ ۷۵)

- قرآن مجید میں ایسی باتیں بھی ہیں جو خدا نے نہیں کیں۔ (احتجاج طبرسی، صفحہ ۲۵، بحوالہ ایضاً، صفحہ ۸۱)
- موجودہ قرآن میں خلاف فصاحت اور قابل نفرت الفاظ موجود ہیں۔ (طبرسی، صفحہ ۳۰، بحوالہ ایضاً)
- موجودہ قرآن کو اولیاء الدین کے دشمنوں نے جمع کیا۔ (ایضاً)
- موجودہ قرآن کی ترتیب خدا کی مرضی کے خلاف ہے۔ (فصل الخطاب، صفحہ ۳۰، بحوالہ ایضاً)
- حضرت علیؓ کا نام قرآن میں کئی مقامات سے نکال دیا گیا۔ (دیباچہ تفسیر صافی، بحوالہ ایضاً، صفحہ ۷۵)
- آیت و من یطع اللہ و رسولہ فقد فاز فوزا عظیما ○ (پ نمبر ۲۲، س احزاب، آت ۷۱) اس طرح نازل ہوئی تھی و من یطع اللہ و رسولہ فی ولایہ علی والائمہ من بعدہ فقد فاز فوزا عظیما ○ یعنی جس نے حضرت علیؓ اور ان کے بعد کے اماموں کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی پس اس نے بہت بڑی کامیابی پا لی۔ (اصول کافی، صفحہ ۲۶۲، بحوالہ ایضاً، ص ۷۹)
- آیت فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذین قیل لھم فانزلنا علی الذین ظلموا رجزا من السماء بما کانو یفسقون ○ (پ نمبرا، آیت نمبر ۵۱) اس طرح نازل ہوئے تھے فبدل الذین ظالموا ال

محمد حقهم قولا غیر الذی قیل لهم فانزلنا علی الذن ظلموا ال محمد حقهم رجزا من السماء بما کانو یفسقون O یعنی ظالموں نے کہنے کے باوجود آل محمد کے حق کو بدل دیا اور آل محمد کے حق میں ظلم کرنے کی وجہ سے نافرمانوں پر ہم نے آسمانی عذاب نازل کیا۔ (اصول کافی' ص ۲۶۷' بحوالہ اصا ص ۱۷)

- آیت ولو انهم فعلوا ما یوعظون به لکان خیرا لهم (پ ۵' س نساء' آیت نمبر ۶۶) یہ اس طرح نازل کی گئی تھی ولو انهم فعلوا ما یوعظون ربه فی علی لکان خیرا لهم یعنی اگر یہ لوگ علیؓ کے بارے میں کی گئی نصیحت پر عمل کریں تو ان کے لیے بہتر ہو گا۔ (اصول کافی' صفحہ ۲۶۸' بحوالہ ایضاً)

- جو دعوٰی کرے کہ اس نے پورا قرآن جس طرح کہ وہ نازل ہوا ہے جمع کر لیا ہے وہ انتہائی درجہ کا جھوٹا ہے۔ پورا قرآن تو صرف حضرت علیؓ اور ان کے بعد اماموں نے جمع کیا ہے۔ (صافی کتاب الحجہ' بحوالہ بینات' صفحہ ۱۰۲)

- قرآن جس طرح نازل ہوا تھا اس کو رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق صرف امیر المومنین علیہ السلام نے آپ کی وفات کے بعد چھ مہینے مشغول رہ کر جمع کیا تھا۔ جمع کرنے کے بعد اسے لے کر ان لوگوں کے پاس آئے جو رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ بن گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی کتاب جس طرح نازل ہوئی ہے' وہ یہ ہے' پس ان سے۔ عمر بن خطاب نے کہا کہ ہم کو تمہاری اور تمہارے اس قرآن کی ضرورت نہیں تو امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ

آج کے دن کے بعد اس کو نہ تم دیکھ سکو گے اور نہ کوئی اور دیکھ سکے گا یہاں تک کہ میرے بیٹے مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو گا۔ اس قرآن میں بہت سی زیادات ہیں۔ جب مہدی ظاہر ہوں گے تو موجودہ قرآن آسمان کی طرف اٹھا لیا جائے گا اور وہ اس قرآن کو نکال کر پیش فرمائیں گے، جس کو امیر المومنین علیہ السلام نے جمع فرمایا تھا۔ (انوار النعمانیہ، جلد دوم، طبع ایران، از سید نعمت اللہ الموسوی الجزائری، صفحہ ۳۵۷ تا صفحہ ۳۶۴، بحوالہ بینات صفحہ ۵۹)

چھٹا باب

خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں آئمہ

احل بیتؑ کی تعلیمات

ہم نے پہلے دعویٰ کے مطابق شیعہ کتب سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ۱۴۰۰ سو سال سے امت مسلمہ جس "کلمہ طیبہ" کے جن دو اجزاء کو اسلام میں داخلے کی اساس قرار دے رہی ہے اسلام کا کلمہ اور سند لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اس میں ایک لفظ کی بھی کمی بیشی کا کسی نے قول نہیں کیا۔ حنفی، حنبلی، شافعی اور مالکی مسلمانوں کے تمام فقہی مکاتب فکر برصغیر پاک و ہند میں اہل سنت کے بریلوی اور دیوبندی اور احل حدیث حضرات میں فروعی اختلاف کے باوجود کسی نے بھی اسلام کی بنیاد میں ادنیٰ سی تبدیلی کا کوئی قول پیش نہیں کیا۔

ہم نے شیعہ کتب سے ان کے بنیادی عقائد کی روشنی میں کلمہ طیبہ کی تبدیلی اور اس میں علی ولی اللہ، وصی رسول اللہ اور خلیفہ بلا فصل کے تین اجزاء کا اضافہ ثابت کر کے ایک طرف شیعہ مذھب کی اساس کو اسلام سے یکسر الگ اور جدا ثابت کیا ہے، دوسری طرف جن آئمہ احل بیتؑ سے دعویٰ محبت و الفت پر اس مذھب کی عمارت کھڑی کی گئی ہے، ان کی طرف سے بھی شیعہ کے کلمہ کے علی الرغم مسلمانوں کے متفقہ اور اصلی کلمہ ہی کو اسلام کی بنیاد ثابت کیا ہے۔

اس کے بعد آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ آئمہ احل بیتؑ کے نزدیک الحمد سے لے کر والناس تک موجودہ قرآن ہی اصلی اور مکمل ہے۔ اس میں کسی

قسم کی تبدیلی کا قول خاندان نبوت کی طرف سے کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

اب ہم آئمہ اھل بیت ؒ کے وہ اقوال شیعہ کتب سے پیش کریں گے جس کے مطابق خلفاء راشدین ؓ اور صحابہ کرام ؓ کی عظمت و رفعت اور عدالت و ثقاہت آفتاب عالم تاب کی طرح روشن نظر آ رہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی اولاد کی طرف صحابہ کرام ؓ کے خلاف جو بعض باتیں آئمہ کی وفات کے دو تین سو سال بعد منسوب کی گئی ہیں' وہ سفید جھوٹ اور من گھڑت روایات کا چربہ ہیں۔ حضرت علی ؓ سے لے کر حضرت حسن ؒ عسکری تک کسی بھی امام یا خاندان کے کسی بھی بزرگ کی طرف سے حضرت ابوبکر ؓ و عمر ؓ و عثمان ؓ یا کسی بھی صحابی کے خلاف کسی تصریح کا صحیح روایات میں کوئی ذکر نہیں۔ شیعہ کے جھوٹے اور کذاب راویوں کی یہودیت زدہ کہانیوں سے صحابہ کرام ؓ کے روشن کردار کو داغدار نہیں کیا جا سکتا۔ سبائیت کی غلاظت سے آلودہ ہونے والی تاریخ بھی جماعت رسول کے تابناک کردار کو پراگندہ نہیں کر سکتی۔

ہم نے آنے والی سطور میں آئمہ اھل بیت کے ارشادات نہایت عرق ریزی سے شیعہ کے ذخیرہ کتب سے جمع کر کے تصویر کا حقیقی رخ امت مسلمہ اور شیعہ کی نئی نسل کے سامنے پیش کیا ہے۔ ان روایات کے مقابلے میں محمد بن یعقوب کلینی' ملا باقر مجلسی' قاضی نور اللہ شوستری' اور خمینی کی کتابوں کا وہ مواد جس میں حضرات خلفاء راشدین ؓ اور صحابہ کرام ؓ کو کافر' مرتد' منافق' ابلیس اور بد قماش تحریر کیا گیا ہے' پر کاہ کے برابر اہمیت نہیں رکھتا۔ ایک منصف مزاج شیعہ بھی جب ایک طرف حضرت علی ؓ' حضرات حسنین کریمین ؓ' حضرت امام رضا کاظم ؒ' حضرت موسیٰ کاظم ؒ' حضرت تقی علی' حضرت نقی علی اور حضرت حسن عسکری ؒ کے ارشادات کو اپنی ہی کتابوں سے ملاحظہ کرے گا اور دوسری طرف ۱۳۰۱ھ میں شیعہ کے عہد انحراف کے بعد مرتب ہونے

والی من گھڑت روایات کو دیکھے گا تو وہ یقیناً اپنے مذہب کے اس کھلے تضاد کے بعد آئمہ اھل بیت ؓ کی تعلیمات ہی کو ترجیح دے گا۔

ہم دنیا بھر کے شیعہ کے سامنے قرآن و حدیث اور اسلامی فقہاء کی تعلیمات کی بجائے ایسی مقدس شخصیات کی طرف سے صحابہ کرام ؓ اور خلفاء راشدین ؓ کی منقبت و فضیلت کے اقوال پیش کر رہے ہیں، جو شیعہ عقائد کے مطابق ان کے مذہب کی اساس ہیں۔ راقم نے صحابہ کرام ؓ خلفاء راشدین ؓ کی عظمت پر "اسلام میں صحابہ کرام کی آئینی حیثیت" تصنیف کی تھی۔

اس میں قرآن عظیم کی ۷۰۰ آیات کریمہ اور آنحضرت ﷺ کی دو ہزار سے زائد احادیث کی روشنی میں صحابہ کرام ؓ اور خلفاء راشدین کی عظمت و فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ایک مسلمان کے لیے آنحضرت ﷺ کے مقدس رفقاء کی شان مرتبت کے لیے قرآن و حدیث کی گواہی کافی ہے۔

لیکن شیعہ چونکہ قرآن میں تحریف اور احادیث رسول ؐ کے ذخیرہ کو حضرت ابو ہریرہ ؓ، حضرت عائشہ ؓ اور کئی دیگر حفاظ حدیث کے حوالے سے شک و اضطراب کی نظروں سے دیکھتے ہیں..... ہم نے اتمام حجت کے طور پر آئمہ ؑ اھل بیت کی طرف سے کسی اور کتاب یا ماخذ کا سہارا لینے کی بجائے شیعہ ہی کی ہزاروں معتبر کتابوں اور ان کے مسلمہ محدثین کی روایات سے صحابہ کرام ؓ اور خلفاء راشدین ؓ کی تعریف و توصیف اور مذھب اھل سنت کی حقانیت کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

حضرت علی ؓ سمیت آئمہ اھل بیت ؓ کی تصریحات شیعہ کے لیے ان کی اپنی کتب کی روشنی میں پیش کر کے ایک ایسا ذخیرہ جمع کیا ہے، جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ اب وہ کسی بھی تاویل سے اپنے کلمہ طیبہ، عقیدہ تحریف قرآن اور تکفیر صحابہ ؓ کرام و خلفاء راشدین کا قول نہیں کر سکتا۔

شیعہ کے پرانے بزرگ تو شاید اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کے باعث

حضرت علیؓ اور آئمہ اہل بیتؓ کی واضح تعلیمات کے بعد بھی خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کی مدح اور عظمت کے اقرار کرنے میں تامل کریں۔ مجھے ان کی آنے والی نسلوں سے امید ہے کہ وہ من گھڑت روایات اور جھوٹ پر قائم ہونے والے مذہب کو اب "تقیہ" کی پیوند کاری سے بھی قبول نہیں کرے گی۔

ظاہر ہے اگر "اصول کافی" میں مذکور حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی کھلی تکفیر کی روایات صحیح ہیں اگر بحار الانوار، حق الیقین، جلاء العیون، تذکرہ الائمہ میں ملا باقر مجلسی کی طرف سے تمام صحابہ کرامؓ کے منافق اور کافر ہونے کی باتیں ان کے مذہب و دین کا حصہ ہیں۔ خمینی کی کشف اسرار کی وہ عبارت، جس میں اس نے حضرت ابوبکرؓ کو دشمن قرآن، حضرت عمرؓ کو کافر اور حضرت عثمانؓ کو بد قماش تحریر کیا ہے۔ ان کی حیثیت حضرت علیؓ اور آئمہ اہل بیتؓ کے اعتراف عظمت کے مقابلے میں کیا رہ جائے گی۔ دونوں نقطہ ہائے نظر میں کس کو تسلیم کیا جائے گا۔ کس کو رد کیا جائے گا۔ کس نظریے کو شیعہ کا نظریہ اور کس نظریے کو آئمہ اہل بیتؓ کا مذہب قرار دیا جائے گا۔ میں دنیا بھر کے شیعہ سے ایک بار پھر کہوں گا کہ اگر وہ حضرت علیؓ اور آئمہ اہل بیت کا مذہب رکھتے ہیں تو انہیں تکفیر صحابہؓ و خلفاء راشدینؓ کو خود آئمہ اہل بیتؓ کے افکار کی روشنی میں غیر اسلامی نظریہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ اصول کافی، حق الیقین، کشف الاسرار کے مجموعوں کو دریا برد کر کے ان نظریات کو خاندان نبوت کے نظریات سے متصادم قرار دینا ہو گا..... یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ حضرت علیؓ کو تو اپنا امام تسلیم کریں لیکن حضرت علیؓ چیخ چیخ کر جن خلفاء راشدین کی عظمت کا اعلان کریں آپ انہیں کافر قرار دیتے رہیں۔

حضرت علیؓ اور آپ کی اولاد کے تمام بزرگ جس کلمہ طیبہ کو اسلام کی اساس قرار دیتے رہے آپ اس کا حلیہ بگاڑ کر دو اجزاء سے کلمہ طیبہ پانچ

اجراء کر کے بھی حضرت علیؓ کا راگ الاپتے رہیں۔ دین کی اساس کو تبدیل کرنے کی ایسی جرات تو یہودیوں' عیسائیوں کو بھی نہ ہوئی۔ ان کے کسی فرقے نے بھی اپنے مذہب کے کلمہ والی اساس کو تبدیل نہیں کیا۔

حضرت علیؓ اور آپ کی اولاد نے جس قرآن عظیم کو اپنے دین کی سب سے اہم اور مکمل دستاویز کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا' پھر حضرت علیؓ نے اپنے پانچ سالہ دور حکومت میں بھی اس کی کسی تبدیلی اور کسی تحریف کا ذکر نہیں کیا' خلافت و حکومت میں مکمل با اختیار ہونے کے باوجود انہوں نے کسی جگہ بھی موجودہ قرآن کو نامکمل نہیں کیا' کسی مجموعہ کو اس کے علاوہ اصلی قرار دے کر چھپانے اور غار میں لے جانے کا ذکر نہیں کیا۔ خلافت و اقتدار میں ہر قسم کی بے بسی ختم ہو جاتی ہے۔ پھر اس کا کیا کیا جائے کہ انہی اکابرین اور آئمہ اہل بیتؓ کا نام لے کر موجودہ قرآن کو محرف شدہ قرار دیا جائے۔ اسلام کی جڑوں کو اکھاڑنے کا کام اسلام کے اساطین اور سربر آوردہ اولاد رسول کے نام سے کیا جائے۔

اب شیعہ کی جدید و قدیم نسل کو دو میں سے ایک چیز کا انتخاب کرنا ہوگا۔ "تعلیمات آل رسول" یا حضرت علی اور آپ کی اولاد کی وفات کے تین سو سال بعد من گھڑت راویوں کے ذریعے قائم ہونے والا بے بنیاد "شیعہ مذہب"۔

یہاں دونوں چیزیں ایک دوسرے کی صاف ضد معلوم ہو رہی ہیں۔ دونوں نظریات میں تعلیمات آل رسول کو اسلام اور شیعہ مذہب کو کفر قرار دیئے بغیر کوئی چارہ کار ہی نظر نہیں آتا۔

اندھیرا اور سویرا یکو نکر ایک جگہ جمع ہو سکتا ہے۔ کفر اور اسلام کس طرح ایک ہو سکتا ہے۔ نیکی اور بدی کو کس طرح یکجا قرار دیا جا سکتا ہے۔

CamScanner

ع ببیں تفاوت راکجاازکجا

خلفاء ثلاثہؓ کے بارے میں حضرت علیؓ کے ارشادات

نہج البلاغہ اور دیگر شیعہ کتب کی روشنی میں حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت کا اعلان

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ' حضرت معاویہؓ کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

وکان افضلهم فی الاسلام کما زعمت و انصحهم لله ولرسوله الخلیفة الصدیق و خلیفه الخلیفة الفاروق' ولعمری ان مکانهما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بهما لجرح فی الاسلام شدید یرحمهما الله وجزاهما باحسن ماعملا۔

("از نہج البلاغہ از ابن میثم بحرانی" 'صفحہ ۴۸۶' سطر ۲' مطبوعہ تہران)

"اے معاویہ! جیسا کہ تو نے کہا' واقعی اسلام کے اندر آنحضورؐ کے خلیفہ صدیقؓ اور اس کے خلیفہ فاروقؓ سب سے افضل تھے' اور سب سے زیادہ خدا اور رسولؐ کے خیر خواہ تھے اور اپنی زندگی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان دونوں کا درجہ اسلام میں بہت بڑا درجہ ہے' اور بہ تحقیق ان دونوں پر مصائب آئیں تو اسلام پر زخم کاری آتا ہے۔ خدا ان دونوں پر رحمت کرے اور انہیں ان کے نیک کاموں کا بدلہ دے۔"

CamScanner

نوٹ:

اس مکتوب شریف میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ' نے جن باتوں کا اقرار فرمایا ہے زمانہ حال کے مدعیان حب علی رضی اللہ عنہ ان کے ماننے سے قاصر ہیں۔ پانچ باتیں اس مکتوب شریف کا طرہ امتیاز ہیں۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضور ؐ کے خلیفہ برحق تھے' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے خلیفہ برحق تھے۔

۲۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں سے افضل تھے' اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے افضل تھے۔

۳۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خدا اور رسول ؐ کے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے' اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

۴۔ دین اسلام کے اندر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا درجہ بہت بلند تھا' اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مقام پر تھے۔

۵۔ دین اسلام اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں کامل اتحاد تھا۔ یہاں تک کہ ایک کا نقصان دوسرے کا نقصان تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے مندرجہ بالا پانچ باتوں کا اقرار کرنے کے بعد دعائے رحمت کا آپ رضی اللہ عنہ کو ہدیہ بھیجا۔ پس انصاف اور دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام لیوا اور عقیدت مند ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں مندرجہ بالا مکتوب کی پانچ حقیقتوں کا کھلے دل سے اقرار کریں' اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر شب و روز شکریہ کے طور پر ہدیہ رحمت بھیجا کریں۔ مگر کیا کیا جائے اور کیا لکھا جائے اور شیعہ اور روافض کی شکایت کس کے سامنے رکھی جائے کہ جس ہستی کے ذکر کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ' ہدیہ رحمت بھیجتے تھے' آج کل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام

نہاد عاشق اس ہستی پر رحمت کی بجائے لعنت کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تکفیر کے اعلان کو وہ نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

حضرۃ علی رضی اللہ عنہ کے نظریات سے واضح تصادم رکھنے والا حضرۃ علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے۔

حضرۃ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تائید میں حضرۃ علی رضی اللہ عنہ کی صراحت

ثم ان المسلمین من بعدہ استخلفوا امیرین منھم صالحین فعملا بالکتب والسنہ واحسنا السیرہ ولم یعدوا السنہ ثم توفیا رحمھما اللہ

("حدیدی شرح نہج البلاغہ" جلد اول، جزو ششم، صفحہ ۲۹۴)

"پھر آنحضور ؐ کے بعد تمام مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے دو بزرگوں کو خلیفہ مقرر کیا، جو نہایت نیک کردار تھے۔ پس ان دونوں نے قرآن اور سنت رسول ؐ پر عمل کیا اور طرز حکومت کو خوبصورت بنایا، اور طریقہ رسول ؐ سے ذرہ بھر تجاوز نہ کیا۔ اس کے بعد فوت ہوئے۔ خدا تعالیٰ ان دونوں پر اپنی رحمت نازل کرے۔"

نوٹ:

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، نے اپنے اس مکتوب شریف میں بھی پانچ باتوں کا اعتراف کیا ہے۔

۱۔ تمام مسلمانوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔ آپ

رضی اللہ عنہ پر اجماع مکمل ہوا تھا۔

۲۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صالح تھے۔ صالحیت دو قسم کی ہے۔ ایک خود نیکوکار ہونا' دوسرے خلافت کے لائق ہونا۔ یہ صفت دونوں قسموں کو شامل ہے۔

۳۔ قرآن و حدیث پر آپؓ نے عمل کیا' اور عمل جبھی ہو سکتا ہے کہ علم ہو۔ پس اس فقرہ میں حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قرآن و حدیث کے عالم اور عامل ہونے کا اقرار فرمایا ہے۔

۴۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا طرز حکومت نہایت اچھا تھا۔ پس جو لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں' وہ حضرت علیؓ سے اختلاف کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ اس حکومت کے حق میں تھے۔

۵۔ صدیق اکبرؓ نے سنت رسولؐ سے ذرہ بھر تجاوز نہ کیا۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے سیرت حضرات شیخینؓ پر عمل پیرا ہونے سے انکار کر دیا تھا' کھلا جھوٹ اور فریب ہے' کیونکہ جب حضرت علیؓ اقرار کر رہے ہیں کہ حضرت شیخینؓ نے سنت رسولؐ سے ذرہ بھر تجاوز نہ کیا تھا تو پھر سیرت شیخینؓ اور سنت رسولؐ ایک ہی چیز ہو گئی' اور ایک کے انکار کو دوسرے کا انکار لازم ہو گیا۔ اس صورت میں اگر حضرت علیؓ سیرت شیخینؓ کا انکار کرتے ہیں' تو سنت رسولؐ کا انکار بلاتوقف لازم آتا ہے' اور یہ وہ چیز ہے جس کا تصور بھی حضرت علیؓ کے حقیقی عقیدت مند نہیں کر سکتے۔

حضرۃ ابوبکرؓ و عمرؓ کا دور خلافت انصاف اور عدالت پر مبنی تھا

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے خطبے کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

ثم استخلف الناس ابابکر ثم استخلف ابوبکر عمروا حسنا السیرہ وعدلا فی الامہ۔

("ناسخ التواریخ" جلد سوم، از کتاب دوم، صفحہ ۶۳۱)

"پھر تمام لوگوں نے ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا، اس کے بعد ابوبکر صدیقؓ نے عمر فاروقؓ کو خلیفہ بنایا۔ ان دونوں نے طرز حکومت کو نہایت اچھا بنایا اور امت میں انصاف اور عدالت کو قائم کیا۔"

نوٹ: حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہ نے اس خطبے میں دو باتوں کو اقرار کیا ہے۔ ایک تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے طرز حکومت کی اچھائی کا اور دوسرے ان کا امت میں عدالت کا قیام۔ اگر کوئی شخص ان دونوں باتوں میں غور کرے تو مقام ابوبکرؓ کی حقیقت سے واقف ہو سکتا ہے۔

حضرۃ ابوبکرؓ ہی خلافت کے زیادہ حق دار تھے

وقال علی والزبیر ماغضبنا الا فی المشورہ وانا لنری ابابکر احق الناس بها، انه لصاحب الغار و ثانی اثنین وانا لنعرف له سنه، ولقد امره رسول الله بالصلوه وهو حی۔

("حدیدی شرح نہج البلاغہ" جلد اول، جزو ششم، صفحہ ۲۹۳)

"حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے کہا، ہماری شکر رنجی محض مشورہ کی وجہ سے ہے اور ہم یقین جانتے ہیں کہ ابوبکرؓ سب سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں۔ اس لیے کہ وہ صاحب غار اور ثانی اثنین ہیں اور یقیناً وہ عمر میں بھی بڑے ہیں، اور خدا کے رسولؐ نے اپنی زندگی میں ان کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔"

نوٹ: اس ارشاد سے اس شکر رنجی کی وجہ واضح ہو گئی، جو بعض روایات

میں آئی ہے' اور جس کو بعض لوگ بڑے طمطراق سے عوام میں بیان کرتے رہتے ہیں' اور دعوے کرتے ہیں کہ اس ناراضگی کی وجہ اپنا استحقاق خلافت ہے۔ الحمد للہ کہ خود حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے واضح کر دیا کہ ہماری شک رنجی اس واسطے نہیں کہ ہم خلافت کے مستحق ہیں' اور ابو بکرؓ خلافت کے اہل نہیں ہیں' بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے مشورے کے بغیر انتخاب خلیفہ کیوں ہوا ہے؟ انتخاب خلیفہ کے وقت ہم بھی موجود ہوتے اور سب سے پہلے بیعت کرنے والے ہم ہوتے۔ اس چیز کے فوت ہو جانے کا غم تھا۔ جو حضرت علیؓ اور زبیرؓ کے ملال خاطر اور شک رنجی کا باعث تھا۔ اسی چیز کو واضح کرنے کے لیے ارشاد فرمایا' کہ ہم خلافت کا حق دار ابو بکرؓ کو جانتے ہیں۔

حضرۃ ابو بکرؓ حضرۃ عمرؓ اور حضرۃ عثمانؓ حق پر تھے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلفاء ثلاثہ کی صداقت پر خدا کو گواہ بنا رہے ہیں:

اللھم انی اشھدک وکفی بک شھیدا فاشھد الی انک ربی وان محمدا رسولک نبی والاوصیاء من بعدہ ائمتی ○

("صحیفہ علویہ" "مطبوعہ نجف اشرف" صفحہ ۳۷)

"خدایا میں تجھے گواہ بناتا ہوں اور تیری گواہی کافی ہوتی ہے۔ پس تو اس بات پر گواہ ہو جا کہ تو میرا رب ہے' اور اس بات پر بھی گواہ ہو جا کہ محمدؐ جو کہ تیرا رسول ہے وہ میرا پیغمبر ہے' اور اس بات پر گواہ ہو جا کہ آپؐ کے بعد جو جانشین ہوئے ہیں وہ میرے امام ہیں۔"

نوٹ: اس ارشاد میں جہاں حضرت علی المرتضیٰؓ نے خدا کے رب ہونے

اور حضور ؐ کے پیغمبر ہونے کا اقرار کیا ہے ' وہاں آپ ؐ کے جانشینوں کو اپنا امام تسلیم کیا ہے ' اور ظاہر ہے کہ ان جانشینوں میں پہلا نمبر سیدنا حضرت صدیق اکبر ابو بکرؓ بن ابی قحافہ کا ہے۔ پس ان کو بھی امام تسلیم کر لیا گیا۔ میرے خیال میں حضرت علیؓ نے ابو بکر صدیقؓ کی تعریف کی انتہا کر دی ہے اور انہیں وصی نبی اور امام خلق تسلیم کر لیا۔

حضرۃ ابو بکرؓ ہی خلافت کے لائق تھے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابو سفیان سے خطاب کیا:

امسک علیک فانا رئینا ابا بکر لہا اھلا

("حدیدی شرح نہج البلاغہ" ' جلد اول ' جزو ششم ' صفحہ ۲۹۱)

"اے ابو سفیان اس بات سے باز رہ اس لیے کہ ہم نے حضرت ابو بکرؓ کو خلافت کے لائق جانا ہے۔"

نوٹ: ابو سفیان" حضرت علیؓ کو مشورہ دے رہے تھے کہ آپ خلافت کے لیے کھڑے ہو جائیں میں آپ کی ہر ممکن طریق سے امداد کروں گا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ۔ میں اس مشورہ کو قبول نہیں کرتا' ہم نے حضرت ابو بکرؓ کو خلافت کے لائق جان کر اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کو خلافت کا اہل سمجھ کر خلیفہ تسلیم کیا ہے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

لولا ان رئینا ابا بکر اھلا لما ترکناہ

("حدیدی شرح نہج البلاغہ" جلد اول ' جزو دوم ' صفحہ ۷۴)

"اگر ہم حضرت ابو بکرؓ کو خلافت کے لائق نہ جانتے تو اسے اس مقام

پر ہرگز نہ چھوڑتے۔"

نوٹ: حضرت علیؓ کی بہادری اور شجاعت کا تقاضا یہی ہے جو آپ کے اس ارشاد سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اکراہ اور اضطرار اور مجبوری سب کے سب آپ کی شان کے مناسب نہیں ہیں۔ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ مدعیان محبت کو معرفت عطا کرے۔ آمین یارب العالمین۔

حضرۃ ابوبکر صدیقؓ حضرۃ ابوذرؓ اور حضرۃ سلمانؓ سے زیادہ تارک الدنیا کوئی نہیں' امام جعفرؒ صادق کا اعلان

حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

من ازھد من ھولاء

("فروغ کافی" جلد دوم کتاب "المعیشۃ" صفحہ ۴ پر ایک طویل حدیث ہے)

"یعنی مذکورہ بالا تینوں بزرگوں سے زیادہ تارک دنیا کون ہے؟"

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؒ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زاہد اور تارک دنیا ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

حضورؐ کے عمل کی وجہ سے حضرۃ ابوبکرؓ کو ہم نے خلیفہ تسلیم کیا' حضرت علیؓ

قال علیؓ لما قبض النبیؐ نظرنا فی امرنا فوجدنا النبیؐ قد قدم ابابکر فی الصلوہ

فرضینا لدنیانا من رضی رسول اللہؐ لدیننا فقدمنا ابابکرؓ

("طبقات ابن سعد" مطبوعہ بیروت، جلد سوم، صفحہ ۱۸۳)

"حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک قبض کر لی گئی تو ہم نے حکومت کے بارے میں سوچا۔ پس آپؐ نے جو ابوبکرؓ کو نماز کے لیے آگے کیا تھا، وہ ہمیں اس باب میں راہنما دستیاب ہو گیا، اور خدا کے رسولؐ نے جس شخص کو ہمارے دین کا پیشوا بنایا تھا، ہم نے اس کو اپنی دنیا کا پیشوا بنا لیا، اور ابوبکرؓ کو امام اور سربراہ بنا لیا۔"

حضرت علیؓ کے اس ارشاد مبارک پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک مرض وفات نبیؐ میں امامت ابوبکرؓ بارشاد پیغمبرؐ تھی، اور یہ خلافت ابوبکرؓ کی زبردست دلیل تھی، اور یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت علیؓ اس دلیل کی دریافت کرنے میں تنہا نہیں ہیں، بلکہ تمام بنو ہاشم اس چیز میں آپؓ کے ساتھ متفق ہیں۔

حضورؐ نے کسی کو اپنا خلیفہ ازخود نامزد نہیں کیا تھا

عن علی بن ابی طالب علیہ السلام انہ قیل لہ، الا توصی؟ قال ما اوصی رسول اللہؐ فاوصی ولکن ان اراد اللہ خیرا" فسیجمعھم علی خیرھم کما جمعھم بعد نبیھم علی خیرھم ٥

("شافی شریف مرتضیٰ الہدیٰ" مطبوعہ تہران، صفحہ ۱۷۱)

"حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے عرض کیا گیا، کیا آپ اپنا

خلیفہ نامزد نہیں فرماتے؟ آپ نے جواب دیا کہ خدا کے رسول ؐ نے نامزد نہیں کیا تو میں کیسے نامزد کروں۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ مسلمانوں کے حق میں بھلائی کا ارادہ کرے گا' تو ان کو اپنے میں سے بہترین آدمی پر متفق بنا دے گا' جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد تمام مسلمانوں میں سے بہترین آدمی پر انہیں اجتماع عطا کر دیا تھا۔"

نوٹ: یہ ارشاد بھی حضرت ابو بکرؓ کے افضل ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اپنے فرزند ارجمند امام حسنؓ کو نامزد نہیں کیا تھا' اگرچہ بعض لوگوں نے اس روایت سے اختلاف بھی کیا ہے۔

پوری امت میں حضورؐ کے بعد حضرات ابو بکر و عمرؓ کا درجہ ہے

وروی ابو جحیفه و محمد بن علی عبد خیر و سوید بن غفله و ابو حکیمه و غیرهم وقد قبل انهم اربعه عشر رجلا" ان علیا علیه السلام قال فی خطبته خیر هذه الامه بعد نبیها ابوبکر و عمر ○

("شافی سید مرتضیٰ علم الہدیٰ" مطبوعہ تہران' صفحہ ۱۷۱)

"ابو جحیفہ اور محمد بن علی اور عبد خیر اور سوید بن غفلہ اور ابو حکیمہ اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے راوی روایت کرتے ہیں' کہا گیا ہے کہ وہ چودہ عدد راوی ہیں کہ حضرت علیؓ نے خطبے میں ارشاد فرمایا' اس امت میں نبی کریمؐ کے بعد سب سے افضل ابو بکرؓ پھر عمرؓ ہیں۔"

نوٹ: یہ ارشاد اسی طرح صفحہ ۴۲۸ "نہج البلاغہ" پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

ساتواں باب

ائمہ اہلبیتؓ کی طرف سے شیخینؓ کی فضیلت و عظمت کا اعتراف

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ حضور ﷺ سے محبت کرتے تھے

شیعہ کے دوسرے امام حضرت حسنؓ کی تعلیمات

سیدنا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف نگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

"میں تم دونوں سے محبت کرتا ہوں اور جس سے میں محبت کرتا ہوں خدا اس سے محبت کرتا ہے' اور تم دونوں سے ملائکہ کو بھی محبت ہوگئی' کیونکہ خدا کو تم سے محبت ہے۔ خدا اس سے محبت کرے جس کو تم سے محبت ہو' خدا اس کا دشمن ہو' جس کو تم دونوں سے دشمنی ہو۔ جو تم دونوں سے میل رکھے' خدا اس سے میل رکھے اور جو تم دونوں سے جدائی رکھے' خدا اس سے جدائی اختیار کرے۔"

("نزہتہ المجالس" جلد ۲' ص ۳۷۴)

ظاہر ہے کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حدیث پاک پر پوری

طرح عمل کیا۔ اس لیے حضرت سیدنا حسنؓ کے نزدیک بھی وہ شخص بدترین ہے' جو شیخین کی تنقیص کرتا ہے۔ آپ کے عقیدہ میں بھی شیخین کی تنقیص کرنے والے خدا کے دشمن اور بدترین لوگ ہیں۔

حضرۃ ابوبکرؓ و عمرؓ کو برا کہنے والا اھل اسلام سے نہیں' شیعہ کے چوتھے

امام حضرت زین العابدینؒ کا فرمان

حضرت علی بن حسین (المعروف زین العابدین) رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور ان سے کہا' کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کو رسول اللہ ﷺ سے کیا قرب حاصل تھا۔ آپ نے فرمایا' جو نزدیکی اور قرب ان کی قبروں کو حاصل ہے۔ بحالت حیات بھی ان کو یہی قرب نصیب تھا۔

("مسند احمد" جلد ۴' ص ۷۷' "تہذیب التہذیب" جلد ۷' ص ۳۰۶)

جو لوگ حضرات خلفاء ثلاثہؓ آپ کے سامنے تنقیص کے لیے زبان بھی کھولتے تو آپ ان کو حکم فرما دیتے تھے کہ:

"ہمارے ہاں سے اٹھو اللہ تمہیں برکت نہ دے اور تمہارے گھر رحمت کے قریب نہ ہوں اور تم اسلام کے ساتھ مذاق کرتے ہو۔ تم اہل اسلام میں سے نہیں ہو! اٹھو!"

("البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد ۹' ص ۱۰۷)

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر تبرا کرنا' حضرت علیؓ پر تبرا کرنا ہے

حضرت زید بن علی بن الحسینؓ (حضرت حسین کے پوتے) سیدنا حضرت علی کی سیرت بتلاتے ہیں کہ:

"یقیناً حضرت علیؓ کی سیرت و کردار حضرت عمرؓ کے ساتھ مشابہ

تھا' اور ان دونوں حضرات کا ایک طریقہ اور ایک عمل تھا۔ اس لیے ابوبکرؓ و عمرؓ سے تبرا و برات کرنا بعینہ سیدنا حضرت علیؓ بیزاری اختیار کرنا ہے۔"

("ریاض النضرہ" جلد ۱' ص ۲۵۸' ص ۸۵)

شیعہ کے ممتاز بزرگ اور شاہ ایران جاہ قاچار کے وزیر اعظم مرزا تقی اللسان الملک شیعی لکھتے ہیں کہ:

"کوفہ کے مشہور لوگوں کی ایک جماعت (جس نے حضرت زید کے ساتھ بیعت کی ہوئی تھی) زید کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگی کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں؟ زید بن امام زین العابدینؒ نے فرمایا کہ میں ان دونوں کے حق میں کلمہ خیر اور بہتربات کے سوا کوئی قول نہیں کرتا اور میں نے اپنے خاندان سے بھی ان دونوں کے بارے میں کلمہ خیر کے بغیر کچھ نہیں سنا۔"

("ناسخ التواریخ" جلد ۲' ص ۵۹۰' طبع ایران)

دوسرے شیعہ بزرگ جمال الدین ابن عنبہ (۶۸۷ھ) نے اپنی کتاب عمدۃ الطالب میں اس کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ:

"(حضرت زید کا یہ دو ٹوک جواب سن کر) کہنے لگے آپ ہمارے خلیفہ و امیر نہیں ہیں۔ زید سے یہ لوگ متفرق ہو گئے اور ساتھ چھوڑ دیا۔ زید کہتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں چھوڑ دیا ہے پس ان کا نام رافضہ اور رافضی رکھا گیا۔"

("عمدۃ المطالب" ص)

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے دوستی رکھو، حضرت امام باقرؒ کا اعلان

کسی شخص نے حضرت امام باقرؒ سے پوچھا۔

جعلنی الله فداک اریت ابابکر و عمر هل ظلما کم من حقکم شیئا اوقال ذهبا من حقکم شیئا فقال لاوالذی انزل الفرقان علی عبده لیکون للعلمین نذیرا" ماظلمنا من حقنا مثقال حبه من خردل قال جعلت فداک افاتولاهما قال نعم ویحک تولاهما فی الدنیا والاخره وما اصابک ففی عنقی" ثم قال لعن الله بالمغیره و بنان فانهما کذبا علینا اهل البیت

("حدیدی نہج البلاغہ" جلد دوم، صفحہ ۲۹۶)

"خدا مجھے آپ پر قربان کرے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ کے بارے بتلایئے کیا انہوں نے آپ لوگوں کے حقوق میں سے کوئی چیز چھین لی ہے؟ حضرت امام نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اس کی قسم جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا تاکہ تمام جن و انس کے لیے ڈرانے والا ہو۔ ہمارے حقوق میں سے رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی چیز نہیں لی گئی۔ پوچھنے والے نے عرض کیا، میں ان دونوں سے دوستی رکھوں؟ حضرت امام نے فرمایا، ہاں اے میرے پیارے ان دونوں سے دنیا و آخرت میں دوستی رکھ اور اگر اس کی وجہ سے تجھ پر کوئی مصیبت آئے تو وہ میری گردن پر۔ مراد یہ ہے کہ میں دنیا و آخرت میں ذمہ دار ہوں۔ اس کے بعد حضرت امام نے فرمایا، خدا تعالیٰ مغیرہ اور

بہتان کو ہلاک کرے' کیونکہ ان دونوں نے ہم اہل بیت پر جھوٹ باندھے ہیں۔"

حضرۃ ابو بکر خلافت کے اھل تھے' حضرت امام باقر کا اعلان

ایک اعرابی نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے عرض کیا:

الست امرتنی ان لا تامر علی اثنین قال بلی قال فما بالکل فقال ابوبکر لم احد لها احدا غیری احق منی قال ثم رفع ابوجعفر الباقر یدیه وخفضهما فقال صدق صدق۔

("حدیدی شرح نہج البلاغہ" جلد اول' جزو ششم' صفحہ ۲۹۱)

"کیا تو نے مجھ سے کہا نہیں تھا کہ دو آدمیوں پر بھی حاکم نہ ہوں؟ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ ہاں میں اسی طرح کہا۔ پس اعرابی نے کہا' کہ پھر تو کیوں حاکم بن بیٹھا؟ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ ہاں حکومت اس لیے قبول کی کہ میرے بغیر کوئی شخص اس لائق نہ تھا۔ راوی کہتا ہے کہ جب حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر پہنچے تو اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور فرمایا' کہ ابو بکرؓ نے سچ کہا' ابو بکرؓ نے سچ کہا۔"

نوٹ: حضرت امام محمد باقر رحمتہ اللہ علیہ اس روایت کے راوی ہیں۔ جب حضرت ابو بکرؓ کے جواب پر پہنچے تو اس کی تصدیق کے لیے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف کر دیے ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ کو حضرت ابو بکرؓ کی صداقت پر گواہ بنا رہے ہیں۔ پس حضرت ابو بکرؓ نے جو فرمایا' کہ پیغمبر کی خلافت کے لیے کوئی شخص مجھ سے زیادہ لائق نہ تھا۔ حضرت امام محمد باقرؒ نے اس بات کی سچائی پر

خدا کو گواہ بنایا اور افضلیت صدیقؓ پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

جو ابوبکرؓ و عمرؓ کے مرتبہ کو نہیں پہچانتا وہ جاہل ہے

حضرت امام باقرؒ کی تعلیمات

حضرت امام جعفر صادقؒ کے والد محترم حضرت امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ:

"تم اہل بیت میں سے کوئی شخص گزرا ہے جو ابوبکرؓ و عمرؓ پر سب و شتم کرتا ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ میں تو ان دونوں حضرات کو دوست رکھتا ہوں' اور ان سے موالات اور محبت رکھتا ہوں' اور ان کے حق میں استغفار کرتا ہوں۔"

("طبقات ابن سعد" جلد ۵' ص ۲۳۶)

شیعہ خیاط کہتے ہیں کہ:

"جب میں محمد امام باقرؒ کو رخصت کرنے گیا' تو آپ نے بطور وصیت مجھے فرمایا کہ میری طرف سے اہل کوفہ کو پیغام دے دو کہ جو شخص ابوبکرؓ و عمرؓ سے بیزاری کرتا ہے' میں اس سے بری ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہوں اور ان کو راضی رکھیں۔"

("ریاض النضرۃ" جلد ۱' ص ۵۸)

ایک مرتبہ جابر سے حضرت محمد باقرؒ نے فرمایا کہ:

"مجھے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عراق میں ایک قوم ہے' وہ لوگ ہماری محبت اور دوستی کے دعوی دار ہیں' اور ابوبکر و عمر کے متعلق کمی بیشی کرتے ہیں (اور افسوس تو یہ ہے کہ الزام مجھ پر لگاتے ہیں کہ) میں نے ان کو اس چیز کا امر کیا ہے۔ (حضرت محمد باقرؒ نے

فرمایا کہ) ان کو اطلاع کر دو کہ اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میں ان سے بری و بیزار ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر مجھے اس قوم پر حکومت حاصل ہو جائے تو ان کی خون ریزی و قتل کے اس کے (اللہ کے) ہاں تقرب و نزدیکی حاصل کروں۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت ہی نصیب نہ ہو۔ اگر میں ابوبکرؓ و عمرؓ کے لیے استغفار نہ کروں' اور ان کے حق میں ترحم و دعا کے کلمات نہ کہوں۔ اللہ کے دشمن ان دونوں (کے مقام) سے غافل ہیں۔"

("صواعق محرقہ" ص ۴۸)

اسی طرح ایک موقعہ پر فرمایا کہ:

"جو لوگ اس چیز کو میری طرف منسوب کرتے ہیں' رب کعبہ کی قسم انہوں نے یہ سب جھوٹ اور دروغ گوئی کی ہے۔"

("تفسیر ابن کثیر" جلد ۲' ص ۵۵۳)

پھر فرمایا کہ:

"مغیرہ بن سعید اور بنان کے ساتھ اللہ تعالیٰ وہی معاملہ فرمائے جس کے وہ اہل ہیں۔ ان دونوں نے ہم اہل بیت پر جھوٹ اور افتراء و دروغ بنا بنا کر پھیلا دیے اور ہماری طرف منسوب کر دیے (ہم ان سے بری ہیں۔)"

("شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید شیعی معتزلی" جلد ۴' ص ۱۱۳' "وفاء ابو وفا ج ۳' ص ۱۰۰۱)

حضرت محمد باقرؒ کا یہ فرمان جس کو شیعہ و سنی دونوں علماء نے نقل کیا ہے بڑا وزنی ہے' اور ہزار توجہ کا مستحق ہے۔ اس کو بار بار ملاحظہ کریں اور صحیح راہ حاصل کریں۔

شیعہ کے چھٹے امام جعفر صادقؒ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی قبروں پر سلام پڑھتے تھے

حضرت جعفر صادقؒ (۱۴۸ھ) (جن کی طرف منسوب شیعہ فرقہ جعفریہ اپنی نسبت کرتا ہے) کا کیا رد عمل رہا ہے، اور ان کے شیخینؓ کے بارے میں کیا عقائد و خیالات تھے، وہ ملاحظہ فرمائیں اور فقہ جعفریہ کی حقیقت معلوم کریں۔ حضرت جعفر صادق کا عمل ملاحظہ فرمائیے! شیعوں کی مستند کتاب "الشافی" ص ۲۳۸ طبع قدیم میں ہے کہ:

"جعفر صادق حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے ساتھ دوستی اور مودت رکھتے تھے جس وقت رسول اللہ ﷺ (کے روضہ اطہر) پر صلوۃ و سلام کے لیے حاضر ہوتے تو ابو بکرؓ و عمرؓ کی قبور پر صلوۃ و سلام کہتے ہیں۔"

انقلاب زمانہ دیکھئے کہ حضرت جعفرؒ صادق تو ان کی قبور مبارکہ پر سلام کہیں اور رحمت کی دعائیں کریں، اور ان کے نام سے اپنے مذہب کو چلانے والے یہ مجتہدین ان سے بیزاری اور لاتعلقی بلکہ کفر و ارتداد کے بے دریغ گولے پھینکیں۔

"سالم کہتا ہے کہ سیدنا جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ ابو بکرؓ میرے نانا ہیں کیا کوئی شخص اپنے آباؤ اجداد کو گالی بھی دیتا ہے؟ یاد رکھو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت ہی مجھے نصیب نہ ہو اگر میں ابو بکرؓ و عمرؓ سے تولی اور دوستی نہ رکھوں اور میں ان کے دشمن سے بیزاری اختیار نہ کروں۔"

("سیرت عمر لابن جوزی" ص ۳۲، طبع مصر)

شیعہ کے نامور مجتہد قاضی نور اللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) لکھتے ہیں:

"ایک شخص نے حضرت جعفر صادقؒ سے ابو بکرؓ و عمرؓ کے متعلق

سوال کیا تو امام موصوف نے جواباً فرمایا کہ یہ دونوں بزرگ امام تھے عدل و انصاف کرنے والے تھے حق بات پر قائم رہے۔ حق پر ہی ان کا خاتمہ ہوا۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے"۔

"احقاق الحق" جلد ا' ص ۱۶' طبع مصر)

ذرا آج کل کے شیعہ اور جعفریوں کا حال دیکھیں۔ یہ تو شیخین کو ظالم و غاصب اور ناحق اور نہ جانے کیا کیا خطاب دے کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی ان کے سامنے شیخین کی تعریف کریں تو ان کی آنکھیں خون سے بھر آتی ہیں' اور وہاں حال یہ تھا کہ حضرت جعفر صادق" ان کے لیے دعائے رحمت اور انہیں عادل' امام اہل حق ہی فرماتے تھے۔

(بحوالہ "رحماء بینھم" جلد سوم' از مولانا محمد نافع صاحب)

حضرت جعفر صادق" کی عبارت میں کوئی پیچیدگی نہیں کہ جس کی تشریح و توضیح کی جائے لیکن شیعہ علماء نے اس عبارت کی ایسی توجیہیں کیں کہ الامان و الحفیظ' نیکی بدی ہو گئی' ایمان کفر بن گیا' شیخ شیطان بن گیا۔ (استغفر اللہ) مگر اپنی تاویلات سے خود بھی مطمئن نہ ہوئے لہٰذا مجبور ہو کر تقیہ شریف کا دامن تھامنا پڑا' اور کہنا پڑا کہ آپ نے تقیہ فرمایا تھا۔ تقیہ کی سیاہ چادر اور منافقت کی اس ردا نے شیعہ کے سارے مذہب کو معجون مرکب بنا دیا ہے' جس کا کوئی اصول بھی قابل اعتبار نہیں۔

حضرت امام موسیٰ کاظمؒ کی تعلیم

حضرت امام موسیٰ کاظم (۱۸۳ھ نے اپنے آباو اجداد سے مرفوعاً ایک روایت نقل کی ہے۔ روایت کے اصل راوی حضرت حسن بن علی" ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

"فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ میرے ہاں بمنزلہ کان کے ہیں، اور عمرؓ میرے نزدیک بمنزلہ آنکھ کے اور عثمانؓ میرے ہاں بمنزلہ دل کے۔"

("معانی الاخبار للشیخ صدوق شیعی" ج ۳۸، و تفسیر حسن عسکری بحوالہ "رحماء بینھم" ج ۱، ص ۴۲۶)

ان شیعی روایات کی موجودگی میں بھی اگر انہیں شیخینؓ کی فضیلت کا اعتراف نہیں کرتا تو پھر اور کون سی شہادتیں ان کے نزدیک لائق حجت ہوں گی؟ ممکن ہے کوئی کہہ دے کہ یہ سب تقیہ ہی تھا۔۔۔اور بس۔

(بحوالہ "رحماء بینھم" جلد سوم)

آٹھواں باب

شیخین رضی اللہ عنہم کے بعد دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں

آئمہ اہلبیت رضی اللہ عنہم کی تعلیمات

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور آنحضرت ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں ہمدم و ہمراز، محب و مخلص دوست اور بچے ساتھی تھے۔ ان کے درمیان کسی قسم کی کوئی مخاصمت و عداوت نہ تھی۔ ہر ہر معاملے میں ایک دوسرے کے ممد و معاون تھے، اور آپس میں مشورہ کرتے۔ ہر دونوں کے قلوب میں ایک دوسرے کے لیے بے پناہ محبت عظمت اور عزت کا جذبہ موجزن تھا۔ یہ تمام حضرات "رحماء بینھم" کی صحیح اور سچی تفسیر تھے۔

•

جن جن لوگوں نے ان حضرات گرامی قدر کے درمیان عداوت و مخاصمت، حسد و دشمنی، کینہ و بغض کے جو جو واقعات حالات اور ملفوظات گھڑ رکھے ہیں، یاد رکھئے ان میں ذرہ بھر بھی صداقت نہیں، اور عقل و نقل کی روشنی میں اس کا باطل اور غلط ہونا واضح ہو چکا ہے۔

یوں تو حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے بے شمار ارشادات خود شیعہ کی کتابوں میں موجود ہیں، جن میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کا اعتراف کیا گیا ہے۔ یہاں ان سب کو نقل کرنا مقصود نہیں۔ چند ہی آئمہ کے ارشادات سے اس مسئلے کو سمجھا جا سکتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی مجموعی فضیلت

پوری امت میں کوئی بھی صحابہؓ کرام کے مشابہ نہیں' شیعہ کے پہلے امام سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کا ارشاد

ہم نے پچھلے اوراق میں سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے بہت سے ارشادات نقل کیے تھے۔ انہیں پھر سے ضرور ملاحظہ فرمالیں۔ یہاں صرف ایک ارشاد پیش کیا جاتا ہے۔ اسی سے اندازہ لگالیں کہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے قلب المطہر میں صحابہ کرامؓ کی کیسی عظمت تھی۔

"خدا کی قسم میں نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے' آج کوئی بھی ان کے مشابہ نہیں ہے' وہ خالی ہاتھ' پراگندہ بال' غبار آلود چہرے سے صبح کرتے تھے اور وہ رات سجدوں میں اور قیام کی حالت میں گزارتے تھے۔ کبھی اپنی پیشانیاں زمین پر رکھتے تو کبھی اپنے رخسار' وہ اپنی آخرت کو یاد کرتے تو ایسا لگتا تھا کہ انگاروں پر کھڑے ہوں ان کی آنکھوں کے درمیان طویل سجدوں کے باعث اتنا بڑا نشان تھا جتنا مینڈھے کے گھٹنوں پر ہوتا ہے۔ جب اللہ کا ذکر ہوتا تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوتی تھیں' اور عذاب کے خوف اور ثواب کی امید سے ایسے لرزتے اور کپکپاتے تھے' جیسے تیز آندھی میں درخت کی حالت ہوتی ہے۔"

("نہج البلاغہ" جلد ا' ص ۱۷' "البدایہ والنھایہ" جلد ۸' ص ٦' "حلیہ" ص ۷٦)

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ:

۱۔ رسول پاک ﷺ کے صحابہ کرامؓ جیسی کوئی قوم نہیں۔ سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے اس ارشاد نے صحابہ کرامؓ کے مقام رفیع کو جس طرح بیان کیا ہے، شیعہ کی نئی نسل اور منصف مزاج لوگوں کو بار بار اس پر غور کرنا چاہیے۔

حضرت زین العابدینؒ کی تعلیمات

حضرت امام زین العابدینؒ فرماتے ہیں کہ:

"اے اللہ حضرت محمد ﷺ کے اصحاب پر رحمت نازل فرما، جنہوں نے حضرت محمد ﷺ کے ساتھ اچھی صحبت رکھی (صحابہ کرامؓ وہ ہیں) جو مصیبتوں میں مبتلا کیے گئے اور آپؐ کی نصرت میں مشکلات برداشت کیں اور رسول اللہ ﷺ کو اپنے درمیان لے لیا، اور دشمنوں کے شر سے رسول اللہ ﷺ کی محافظت کی۔ آپؐ کی جماعت کو مضبوط بنانے میں بھاگ دوڑ کی۔ آپؐ کی دعوت قبول کرنے پر ایک دوسرے سے سبقت کی اور ایسے مقام پر دعوت قبول کی کہ آپؐ نے اپنی رسالت کی واضح دلیل سنی۔ کلمہ حق کے اظہار کے لیے اپنی بیویوں اور اولاد کو خیرباد کہہ دیا اور (اسی دین حق کی خاطر) اپنے باپ اور بیٹوں سے لڑائیاں کیں، تاکہ آپؐ کی نبوت مستحکم ہو جائے۔ یہ لوگ آپ کی محبت میں سرشار تھے، اور آپ کی دوستی میں اس تجارت کے امیدوار تھے کہ اس میں نقصان ہی نہیں، اور ان لوگوں نے جب رسول اللہ ﷺ کا دامن پکڑ لیا، تو ان کی قوم و قبیلہ نے ان کو نکال دیا، اور جب رسول اللہ ﷺ کے ظل عاطفت میں آ گئے تو سب رشتے ناطے ختم ہو گئے۔"

اے اللہ! آپ کی رضا اور آپ کے بغض میں انہوں نے جو کچھ چھوڑا اس کے طفیل ان کو مت بھلانا اور اپنی رضا سے ان لوگوں کو راضی رکھنا' اور ان کو اس کی جزاء عطا فرما کہ ان لوگوں نے تیرے خلق کو تیرے دین پر جمع کیا' اور وہ لوگ تیرے رسول کے ساتھی تھے۔ لوگوں کو تیری اطاعت کی طرف بلاتے تھے۔ اے اللہ! تیری رضا کے لیے انہوں نے اپنی قوم کے شہروں سے ہجرت کی اس لیے آپ ان کو جزاء عطاء فرمایئے اور اس بات کی بھی جزاء دے کہ انہوں نے فراخی و معاش سے تنگی معاش کی طرف ہجرت کی۔"

("صحیفہ کاملہ آیات بینات" ص ۹۹)

فوائد و نتائج : سیدنا حضرت امام زین العابدینؓ کی دعا کا ایک ایک جملہ صحابہ کرامؓ کی عظمت میں ڈوبا ہوا ہے۔ حضرت الامامؓ کے نزدیک

۱- صحابہ کرامؓ نے رسول ﷺ کی اچھی طرح صحبت اختیار کی۔

۲- صحابہ کرامؓ نے دین حق کی خاطر تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے ہر موڑ پر دین قیم کی حفاظت کی۔

۳- صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر لبیک کہا' آپ کو دشمنوں سے حفاظت میں رکھا۔ آپ سے سب سے زیادہ اور سچی محبت کی اور آپ ہی کی خاطر سب کچھ ترک کر دیا۔

اس لیے کہ حضرت الامامؓ نے بارگاہ الٰہی میں ان کے لیے رحمت و کرم کی دعائیں مانگیں اور جزائے خیر عطا فرمانے کی دعا کی۔

صحابہ کرامؓ کی غیبت گناہ ہے' شیعہ کے چھٹے امام حضرت امام جعفر صادقؒ کے ارشادات

شیعہ کے چھٹے امام ابو عبداللہ جعفر صادقؒ (۱۴۸ھ) سے مدح صحابہؓ میں بہت سے ارشادات ملتے ہیں' جو قابل دید ہیں۔

ابو زبیری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؒ سے پوچھا کہ ایمان کے مختلف منازل اور درجات ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! میں نے کہا' اللہ آپ پر رحم فرمائے بیان فرمائیے' تاکہ میں سمجھوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں میں ایک دوسرے سے سبقت کا اس طرح جذبہ پیدا کیا ہے' جیسے گھوڑ دوڑ کے دن گھوڑوں میں مقابلہ ہوتا ہے پھر حسب سبقت اللہ تعالیٰ ان کو درجہ دیتے ہیں' چنانچہ ہر شخص کو حسب سبقت درجہ ملتا ہے۔ سابق کا درجہ کم نہیں ہوتا' اور نہ ہی مسبوق یا مفضول سابق اور فاضل سے مرتبے میں بڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح امت کے پہلے اور پچھلے لوگوں میں درجہ فضیلت کا فرق ہے۔ اگر سابق الی الایمان کو بعد میں ایمان لانے والے پر فضیلت نہ ہو تو امت کے پچھلے لوگ پہلوں کے ہم رتبہ ہو جائیں' بلکہ تم ان سے بسا اوقات بڑھ جاؤ' لیکن اللہ تعالیٰ نے سبقت ایمانی کی بناء پر سابقین کو مقدم رکھا اور ایمان سے پیچھے ہٹنے کی وجہ سے پچھلوں کو درجہ میں پیچھے کر دیا۔ اس لیے ہم بعد والے مومنوں میں ایسے لوگ پاتے ہیں' جو ظاہری نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' جہاد' انفاق' فی سبیل اللہ وغیرہ میں پہلوں سے بڑھے ہوئے ہیں' اب اگر سبقت ایمانی کا اعتبار نہ ہوتا تو اکثر عمل کی وجہ سے پچھلے

پہلوں سے درجہ میں بڑھ جاتے۔ لیکن اللہ نے اس بات کو تسلیم ہی نہیں کیا کہ بعد والے مومن پہلوں کا درجہ حاصل کر لیں' یا جن کو اللہ نے موخر کر دیا' وہ پہلوں سے بڑھ جائیں' اور جن کو مقدم کیا وہ پچھلوں سے کم رتبہ ہو جائیں۔"

میں نے پوچھا بتلایئے کہ اللہ تعالیٰ نے سبقت الی الایمان کے بارے میں مومنین کے حق میں کیا ارشاد فرمایا ہے' تو آپ نے یہ آیات تلاوت کیں۔

۱۔ سابقوا الی مغفرہ من ربکم و جنہ عرضھا کعرض السماء والارض اعدت للذین امنوباللہ ورسلہ

(سورۃ الحدید)

۲۔ والسابقون السابقون اولئک المقربون

(سورۃ الواقعہ)

۳۔ والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ

(سورۃ التوبہ)

۱۔ "جلد چلو اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان و زمین کی چوڑائی کے برابر ہے' وہ ان لوگوں کے واسطے تیار کی گئی ہے' جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔"

۲۔ "اور جو اعلیٰ درجے کے ہیں وہ تو اعلیٰ ہی درجے کے ہیں'

(اور) وہ قرب رکھنے والے ہیں۔"

۳۔ "اور جو مہاجرین اور انصار ایمان لانے میں سب سے سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ایمان میں سبقت کی بدولت مہاجرین کو اولاً ذکر فرمایا، پھر ثانیاً انصار کو ثالثاً نیکی میں ان کے فرمانبرداروں کو بیان فرمایا۔ پس ہر گروہ کو اپنے اپنے مرتبے پر رکھا ہے۔

("اصول کافی جلد باب السبقت الی الایمان و تفسیر صافی ہند"، ص ۱۸۷)

شیعوں کی مستند کتاب "مفتاح الشریعت" اور "مفتاح الحقیقت" میں ایک حدیث ملتی ہے، جسے ملا باقر علی مجلسی نے بحار الانوار میں قاضی نور اللہ شوستری نے امام صادقؒ سے بیان کیا ہے کہ:

"غیبت بہت بڑا گناہ ہے، اور بہتان و افتراء اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ جب عام آدمیوں کے حق میں غیبت اور بہتان گناہ کبیرہ ہے، تو اصحاب رسول اللہ ﷺ کے حق میں کس قدر بڑا گناہ ہو گا۔ پس ان کے حق میں نیک اعتقاد رکھنا ضروریات دین میں سے ہے۔ ان کے فضائل بیان کرنے میں رطب اللسان رہنا چاہیے، اور ان کے دشمنوں سے نفرت رکھنا چاہیے۔"

("آیات بینات"، جلد ۱، ص ۱۰۳)

صحابہ کرامؓ امت کے افضل ترین افراد تھے' شیعہ کے گیارھویں امام حضرت امام حسن عسکریؒ کی تعلیمات

شیعہ کے گیارہویں امام حسن عسکریؒ (۲۶۰ھ) کی ایک تفسیر شیعہ گروہ کے ہاں معروف ہے۔ تفسیر حسن عسکریؒ میں آپ کا ارشاد ہے کہ:

۱۔ تمہیں یہ حکم ہے کہ تم ان لوگوں کے راستے پر چلو جن پر یوں انعام ہوا کہ اللہ و رسول پر ایمان حضرت محمدؐ ان کی پاکیزہ آل اور ان کے صحابہ کرامؓ جو افضل ترین امت اور منتخب شدہ تھے سے محبت کی توفیق ہوئی۔ (ص ۲۵)

۲۔ جو مرد یا عورت حضرت محمد ﷺ آپ کی آل اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ سے محبت رکھے اور ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھے تو اس نے خدا کے عذاب سے بچاؤ کے لیے ایک مضبوط قلعہ بنا لیا' اور محفوظ رکھنے والی ڈھال بنالی۔ (ص ۲۵)

ایک جگہ ارشاد ہے:

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پشت سے آپ کی اولاد نکالی' جن میں انبیاء و رسل علیہم السلام اور اللہ کے بندوں کے کئی لشکر تھے۔ سب سے بہتر حضرت محمدؐ اور آل محمدؐ تھے' اور ان سے فاضل و بہترین حضرت محمدؐ کے اصحابؓ اور آپ کی امت کے نیکو کار لوگ تھے۔ (ص ۱۹۲ و ص ۳۳)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

۴۔ رب تعالیٰ نے فرمایا' اے آدمؑ! اگر آل محمدؐ کے نیکو کاروں کا کوئی آدمی تمام انبیاءؑ کی آل کے ساتھ تولا جائے تو ان سے بھاری نکلے' اور حضرت محمدؐ کے نیکو کار صحابہؓ کا کوئی آدمی تمام انبیاء کرامؑ کے صحابہؓ کے ساتھ تولا جائے' تو تمام پر بھاری ہو۔

اے آدمؑ! اگر ایک کافر یا سب کفار آلِ محمدؐ یا اصحابِ محمدؐ کے کسی فرد سے محبت رکھیں، تو اللہ تعالیٰ اسے یوں بدلہ دے گا کہ اسے توبہ اور قبولِ ایمان کی توفیق دے کر جنت میں داخل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ حضرت محمدؐ، آپ کی آل، آپ کے اصحابؓ سے محبت رکھنے والے پر اتنی رحمت برساتے ہیں کہ اگر اللہ کی روزِ اول سے لے کر آخر تک کفار مخلوق پر بھی تقسیم کی جائے تو سب کو کافی ہو اور انہیں انجامِ خیر تک پہنچا دے جو قبولیتِ ایمان ہے، تاکہ وہ جنت کے مستحق ہو جائیں۔

اور جو شخص آلِ محمدؐ یا اصحابِ محمدؐ یا ان کے کسی فرد سے بغض رکھے تو اس کو اللہ تعالیٰ اتنا سخت عذاب دیں گے کہ اگر اس کو اللہ کی تمام مخلوق پر تقسیم کیا جائے تو سب ہی کو ہلاک کر ڈالے۔

("تفسیر حسن عسکری" ص ۱۹۶، ماخوذ از "عدالتِ صحابہ کرامؓ"، مولفہ مولانا مہر محمد میانوالوی)

فوائد و نتائج

حضرت حسن عسکریؒ کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ صحابہ کرامؓ افضل ترین امت اور اللہ کی طرف سے منتخب شدہ تھے۔

۲۔ صحابہ کرامؓ سے محبت رکھنے والے پر اللہ کی بے پایاں رحمت برستی ہے، اور عذاب سے حفاظت ہوتی ہے۔

۳۔ صحابہ کرامؓ پہلے تمام انبیاء کے اصحابؓ سے بہترین اور افضل تھے۔

۴۔ صحابہ کرامؓ سے بغض و عناد رکھنا اللہ کے غضب و غصہ کو دعوت دینا ہے۔

۵۔ اگر کوئی کافر صحابہ کرامؓ سے محبت رکھے تو اللہ تعالیٰ اس محبت کی بدولت اسے ایمان کی توفیق نصیب فرما دیتا ہے۔

CamScanner

آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ ستاروں کی طرح تھے، شیعہ کے آٹھویں

امام حضرت امام رضا کا ارشاد

ابو علی حسن بن احمد حاکم کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن یحییٰ صدفی نے کہا، ان سے محمد بن موسیٰ نصر رازی نے ان سے ان کے والد نے روایت کی کہ (شیعہ گروہ کے آٹھویں) امام رضا علیہ السلام سے اس حدیث:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم

"میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح ہیں جس کے پیچھے چلو گے ہدایت پا جاؤ گے"۔

اور حدیث دعوا الی اصحابی (میرے لیے میرے صحابہؓ بدگوئی چھوڑ دو) کے متعلق پوچھا گیا تو امام رضا علیہ السلام نے فرمایا، ہذا صحیح یعنی یہ حدیث صحیح ہے۔ ("عیون الاخبار" بحوالہ عدالت صحابہ کرامؓ)

فوائد ونتائج

حضرت امام رضاؒ کی حدیث پاک کی تائید سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپؒ:

۱- صحابہ کرامؓ کو آسمان ہدایت کے ستارے سمجھتے تھے۔

۲- صحابہ کرامؓ کی اقتداء ہی میں ہدایت کو مضمر جانتے تھے۔

۳- صحابہ کرامؓ کے بارے میں اس حدیث پاک کو بالکل صحیح خیال فرماتے تھے۔

نوٹ: شیخ صدوق نے معانی الاخبار میں علامہ طبرسی نے احتجاج میں اور ملا باقر

مجلسی نے بحار الانوار میں ملا حیدر علی آملی اثنا عشری نے جامع الاسرار میں اس حدیث کے مضمون کی صحت کا اقرار کیا ہے۔ (آیات بینات)

صحابہ کرامؓ کی اکثریت قابل مدح ہے (بعض شیعہ کا اقرار)

عمدۃ المحدثین حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ کی کتاب مستطاب تحفہ اثنا عشریہ کا جواب دیتے ہوئے صاحب نزہتہ اثنا عشریہ اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ:

"امامیہ جمیع اصحاب را مقدوح و مجروح نمی دانند بلکہ بیساری از صحابہ عظام راجلیل القدر و ممدوح بلکہ از اولیاء و مستحق رحمت و رضوان ملک منان میں پندار ندرد صحیفہ کاملہ کہ فرقہ حقہ آنراز بور آل محمد گویند دعائیکہ از حضرت سید الساجدین علیہ السلام ماثور است شاہد عدل ایں دعوی است"

(بحوالہ "آیات بینات" جلد ۱، ص ۱۰۵)

ترجمہ: فرقہ امامیہ کے نزدیک تمام صحابہؓ ناقابل شہادت و کمزور و معیوب نہیں، بلکہ اکثر صحابہ کرامؓ جلیل القدر اور لائق مدح اور اولیاء کرامؒ متصور کیے جاتے ہیں، انہیں مستحق رحمت و پروردگار سے رضامند کیا جاتا ہے، فرقہ حقہ جنہیں زبور آل محمدؐ کہتا ہے ان کی بابت صحیفہ کاملہ میں سید الساجدین (امام زین العابدینؒ) کی دعائے ماثورہ ہمارے اس دعوٰی کی شاہد عدل ہے۔

۱۔ صحابہ نزہتہ اثنا عشریہ نے اس عبارت میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی اکثریت قابل مدح ہے' یعنی ان کی تعریف کی جائے۔

۲۔ صاحب نزہت کے نزدیک صحابہ کرامؓ اولیاء اللہ تھے۔

۳۔ صاحب نزہتہ کے نزدیک صحابہ کرامؓ خدا کے رحمت و رضوان کے مستحق تھے' اور خدا بھی ان سے راضی تھا۔

۴۔ صاحب نزہتہ کے نزدیک امام زین العابدینؒ کی دعا ثابت ہے اور امام موصوف نے صحابہ کرامؓ کی تعریف فرمائی ہے' اور ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ لیکن کلینی' مجلسی' خمینی اور بعد کے شیعہ اس کے منکر ہیں۔

اس لیے ہم کہیں گے کہ نزہۃ اثنا عشریہ کے مصنف کا مدح صحابہؓ کا اقرار تقیہ پر مبنی ہے' شیعہ کے پانچویں امام باقرؒ کا اعلان' خلفاء ثلاثہ کی عیب جوئی سے میں بیزار ہوں

حضرت امام باقر رحمہ اللہ (م س ھ) کے بارے میں شیعہ مجتہد صاحب الفصول کہتا ہے کہ:

آپ کا گزر ایک جماعت پر ہوا' جو حضرت ابو بکر و عمر و عثمان (رضی اللہ عنھم) کی عیب جوئی میں مصروف تھی۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم ان مہاجرین میں سے ہو جو خدا کے لیے اپنے گھروں سے نکالے لیے اور خدا کے لیے ان کا مال لوٹا گیا اور خدا و رسول ﷺ کی مدد کی؟ کہنے لگے نہیں --- پھر آپ نے پوچھا کیا تم ان لوگوں سے ہو جنہوں نے مہاجرین کے آنے سے قبل ہی ایمان قبول کر کے ان کے لیے رہائش کا انتظام کر رکھا تھا' اور مہاجرین سے محبت رکھتے تھے؟ انہوں نے کہا تھا نہیں --- تو امام باقرؒ نے فرمایا کہ تم خود اپنے اقرار سے ان دونوں (جماعتوں) سے بیزار ہوئے' اور میں بھی گواہی دیتا ہوں

کہ تم ان لوگوں میں سے بھی ہرگز نہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والذین جاء ومن بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنو ربنا انک رؤف رحیم ○

(پ ۲۸، سورۃ الحشر رکوع نمبر۱)

"اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئے جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے۔ اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق ورحیم ہیں۔"

بحوالہ "آیات بینات" جلد ۱، ص ۲۸)

نوٹ: حضرت امام محمد باقر رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات سے معلوم ہوا ہے کہ:

۱۔ حضرت خلفاء ثلاثہؓ کے بارے میں بدگوئی کو آپ مذموم سمجھتے تھے۔

۲۔ آپ کے قلب میں حضرات خلفاء ثلاثہؓ کی محبت تھی۔

۳۔ آپ کے نزدیک صحابہ کرامؓ نے خدا کے لیے اپنا گھر چھوڑا اور خدا کے لیے ان کا مال کام آیا۔

۴۔ آپ کے نزدیک صحابہ کرامؓ نے خدا اور اس کو رسول ﷺ کے دین کی نصرت کی۔

۵۔ آپ کے نزدیک جو صحابہ کرامؓ کو برا بھلا کہے آپ اس سے بیزار ہیں۔

حضرت علیؓ کی طرف سے صحابہ کرامؓ کے بارے میں ایمان افروز کلمات

ولوددت ان الله فرق بینی و بینکم و الحقنی بمن هو احق بی منکم قوم والله میامین الرای مراجیع العلم مقاویل بالحق متاریک للبغی مضوا قدما علی الطریقه و اوجفو علی المحجه فظفروا بالعقبی الدامه و الکرامه البارده اما والله لیسلطن علیکم غلام ثقیف الذیال المیال یاکل خضرتکم ویذیب شحمتکم ایه انا ودخه۔

("نہج البلاغہ" خطبہ ۱۱۷ ص ۱۷۴ مطبوعہ بیروت)

"اب تو میری دعا ہے اور میں اسی بات کو پسند رکھتا ہوں کہ پروردگار عالم میرے اور تمہارے درمیان تفرقہ اندازی کردے اور مجھے ان لوگوں کے ساتھ ملحق فرمادے جو تم سے زیادہ میرے لیے سزاوار ہوں وہ صحابہ کرامؓ ایسے لوگ تھے قسم خدا کی! ان کی رائیں اور تدبیریں مامون و مبارک تھیں وہ دانش مندانہ اور حکیمانہ بردباریوں کے مالک تھے وہ راست گفتار وہ بغاوت اور جور و ستم کے ختم کرنے والے تھے گزر گئے دراں حالیکہ ان کے پاؤں طریقہ اسلام پر مستقیم تھی وہ واضح پر چلے اور ہمشہ رہنے والی سرائے عقبیٰ میں فتح و فیروزی حاصل کی۔ نیک اور گوارا کرامتوں سے فیض یاب ہوگئے۔ قسم خدا کی اب تم پر ایک درشت خو بلند قامت اور جور و ستم کرنے والے کا بیٹا مسلط ہوگا اور تمہارے سبزہ

زاروں کو کھا جائے گا۔ تمہاری چربیوں کو پگھلائے گا۔

(ترجمہ "نیرنگ فصاحت" مطبوعہ دہلی، ص ۱۶۸)

صحابہ کرامؓ کی تعریف میں تاریخ ساز کلمات

شرح ابن میثم

اس خطبہ کی شرح ابن میثم نے ان الفاظ کے ساتھ کی:

ثم عقب ذلک بالتبرم منهم و طلب فراقهم و للحاق باخوانه من اولیاء الله مبارک الارا ثقال الحلوم لا یستخفنهم جهل الجهال ملازمی الصدق و نصیحته الدین من شانهم ترک البغی علی انفسهم و غیر هم مضوا علی الطریقته الحمیداه سالکین لمحجته الله غیر ملتفتین عنها فوصلوا الی الثواب الذائم والنعیم وسلم اذا مرهم رسول الله صلی الله علیه وسلم ابتدروا امره و اذا توضا ثاروا ویقتتلون علی وضوئه واذا تکلموا خفضوا اصواتهم عنده وما یحدون الیه انظر تعظیما له قال فرجع عروه الی اصحابه و قال ای قوم والله لقد و فدت علی الملوک و وفدت علی قیصر و کسری و النجاشی والله ان رایت ملکا ق بعظمه اصحابه مایعظم اصحابه محمد

اذا امرھم ابتدروا امرہ و اذا توضا کادوا یقتتلون علی وضوئه و اذا تکلموا خفضوا اصواتھم عندہ ومایحدون الیه النظر تعظیماً له

("تفسیر مجمع البیان" جلد ۵ جزء ۹ ص ۱۱۷-۱۱۸)

"صلح حدیبیہ کے مقام پر "عروہ" یہ منظر چھپی نگاہوں سے دیکھتا رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہؓ کو کسی کام کا حکم دیتے' وہ اس پر لپک جاتے' اور جب وضو فرماتے' تو وضو کے پانی کو حاصل کرنے کے لیے لڑائی تک نوبت پہنچ جاتی۔ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے' تو ان کی آوازیں انتہائی باادب اور پست ہوتیں۔ اور آپ کی تعظیم کے پیش نظر آنکھ بھر کر آپ کو نہ دیکھتے "عروہ" جب اپنے ساتھیوں کی طرف واپس آیا' تو کہنے لگا' خدا کی قسم! عجیب فرمانبردار لوگ ہیں۔ میں وفد کی صورت میں مختلف بادشاہوں کے پاس گیا۔ قیصرو کسریٰ اور نجاشی کے دربار میں بھی گیا۔ لیکن خدا کی قسم! میں نے آج تک ایسا کوئی بادشاہ نہ دیکھا۔ جس کی تعظیم و عزت اس کے ساتھی ایسی کرتے ہوں۔ جیسی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ وہ جب انہیں کسی کام کا کہتے ہیں۔ اس پر عمل کے لیے فوراً آمادہ ہو جاتے ہیں' اور وضو کے پانی کی حصول میں ایک دوسرے سے دھکم پیل ہو جاتے ہیں' اور دوران گفتگو ازروئے تعظیم اپنی آوازوں کو انتہائی پست رکھتے ہیں اور عظمت کی خاطر آپ کی آنکھوں میں آنکھیں نہیں ڈال سکتے"

نبی پاک ﷺ کی تمام مہاجرین وانصار کے حق میں دعائے مستجاب

نبی پاک ﷺ جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچے تو آپ نے مسجد بنانے کا ارادہ فرمایا، تو آپ نے بمع صحابہ کرامؓ کے خود بھی اپنے دست مبارک سے کام کیا، تو جب صحابہ کرامؓ کام کر رہے تھے، تو یہ اشعار پڑھ رہے تھے

لئن قعدنا والنبی یعمل
لذلک منا العمل المضلل

یعنی اگر ہم کام کرنے سے بیٹھ جائیں اور نبی پاک ﷺ یہ کام کرتے رہے۔

الحق این عمار و این ابن النیہان و این ذوالشہادین و این نظرا ھم من اخوانھم الذین تعاقدوا علی المنیه و ابرد بروسھم الی الفجرہ قال ثم ضرب یدہ علی لحیته الشریفت فاطال البکا ثم قال علیه السلام اوہ علی اخوانی الذین قراوا القران واحکموہ وتدبرو الفرض فاقاموہ احیوالسنه و اماتو البدعه دعو للجہاد فاجابوا وثقوبالقاعد فاتبعوہ۔

("نہج البلاغہ" خطبہ ۱۸۲، ص ۲۶۴)

"کہاں ہیں وہ میرے بھائی جو راہ خدا میں سوار ہوئے تھے، اور اسی اعتقاد حقہ پر گزر گئے۔ کہاں ہے عمار کدھر ہے ابن تیہان کس طرف ہے ذوالشہادتین (خزیمہ جنہیں رسول خدا دو عادل گواہوں

کے برابر سمجھتے تھے۔) کہاں ہیں ان کی مثالیں اور کس طرف ہیں ان کے دینی بھائی جو خدا کی راہ میں مرنے کی قسمیں کھائے ہوئے تھے اور جن کے سر فاسق و فاجر شامیوں کی طرف بھیجے گئے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ فرما کر حضرت نے ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا ہے۔ بہت دیر تک رویا کیے۔ پھر فرمایا' آہ' وہ میرے دینی بھائی جو قرآن کی تلاوت کرتے تھے وہ امور واجبات میں تفکر سے کام لیتے ہوئے انہیں قائم کرتے تھے' وہ سنت پیغمبر کو جلاتے تھے' وہ بدعتوں کو دور کرتے تھے جب انہیں جہاد کی طرف بلایا جاتا' تو نہایت خوشی سے قبول کرتے تھے۔ اپنے پیشوا پر بھروسہ رکھتے تھے اور اس کے اوامرو نہی کی اطاعت کرتے تھے۔"

("نیرنگ فصاحت" ص ۲۶۸)

نبی علیہ السلام کا غسالہ حاصل کرنے کے لیے صحابہ کرام جان دینے پر تیار ہو جاتے تھے

ثم ان عروه جعل یرمق اصحاب النبی صلی الله علیه فقد صد قک فانصرف رسول الله فلما دخل عثمان اخبرته بزالک فاتی رسول الله (ص) هو واصحابه فقال لهم رسول الله الم انبکم انکم اتفتم علی کذا و کذا قالو بلی یا رسول الله وما اردنا الا الخیر فقال رسول الله انی لم اومر بذالک ثم قال ان لانفسکم علیکم حقا فصوموا افطروو قومو و نامو فانی اقوم و انام و اصوم و فطرو اکل

اللحم الدسم واتی النسا و من رغب عن سنتی فلیس منی۔

("تفسیر مجمع البیان" جلد دوم 'جز سوم ص ۲۳۵۔۲۳۶)

"مفسرین نے کہا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے' جب قیامت کے واقعات بیان فرمائے' تو حاضرین پر رقت طاری ہو گی' اور سب نے رونا شروع کر دیا۔ ان میں سے دس صحابہ کرام حضرت عثمان بن مظعون الجمحی رضی اللہ عنہ کے گھر جمع ہوئے جو یہ تھے۔ علیؓ ابو بکرؓ عبداللہؓ بن مسعود' ابو ذرؓ غفاری' سالمؓ ابو حذیفہ کے مولیٰ' عبداللہ بن عمر' مقداد بن اسود الکندی' سلمانؓ فارسی' اور معقل بن مقرن رضی اللہ عنھم ان تمام نے اس پر اتفاق کیا' کہ اب ہم سب دن کو روزہ دار ہوں گے' رات کو جاگ کر اللہ کی عبادت کیا کریں گے' بستر پر نہیں سوئیں گے' گوشت اور چربی نہیں کھائیں گے' عورتوں کے قریب نہ جائیں گے' خوشبو نہ لگائیں گے' موٹے کپڑے پہنیں گے' دنیا کو چھوڑ دیں گے' زمین میں سفر کریں گے۔ یہاں تک کہ بعض نے اپنے آلہ تناسل کٹوانے کا بھی ارادہ کر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کا علم ہوا تو آپ حضرت عثمان بن مظعون کے گھر تشریف لائے' لیکن یہ نہ مل سکے' تو آپ نے ان کی بیوی "ام حکیم بنت ابی امیہ" جن کا نام "حولاء" تھا جو عطر فروشی کرتی تھیں کو فرمایا' کیا تیرے خاوند اور اس کے ساتھیوں کے متعلق جو حالات پہنچے' وہ درست ہیں' تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹ بولنا بھی اچھا نہ سمجھا' اور اپنے خاوند کے بارے میں آگاہی دینا بھی اچھا نہ سمجھا' تو عرض کی' حضور! اگر عثمانؓ نے آپ کو

اطلاع دی تو اس نے آپؐ سے سچ کہا ہے۔ حضورؐ واپس چلے گئے۔
جب عثمانؓ گھر آئے ان کی بیوی نے سب کچھ بتایا' تو عثمانؓ اور ان کے ساتھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے انھیں فرمایا' کیا میں تمھیں یہ نہ بتادوں کہ تم نے فلاں فلاں باتوں پر اتفاق کر لیا ہے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ لیکن ہمارا ارادہ صرف بھلائی کا ہی ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا' مجھے اس طرح کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ پھر فرمایا' تمھارے جسموں کا بھی تم پر حق ہے۔ روزہ رکھو اور کبھی نہ رکھو' کبھی رات جاگو' اور کبھی نہ جاگو' میں بھی رات جاگتا ہوں اور سوتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں' اور کبھی نہیں رکھتا' گوشت اور چربی کھاتا ہوں' عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں' جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ یاد صحابہؓ میں اکثر داڑھی مبارک پکڑ کر رو دیا کرتے تھے

این اخوانی الذین رکبوا الطریق و مضوا علی ایدیهم به فکانو فی منازلهم عنده علی قدر فضائلهم فی الاسلام و کان افضلهم فی السلام کمازعمت وانصحهم لله و رسوله الخلیفه الصدیق و خلیفه الخلیف الفاروع و لعمری ان مکانهما فی السلم لعظیم وان المصاب بهما الحرح فی السلام شدید رحمهما الله و جزا هما باحسن ماعملا۔

("ابن ہثیم شرح" "نہج البلاغہ" جلد نمبر ۳ ص ۳۶۱ تا ۳۶۲)

"(علی المرتضیٰؓ نے امیر معاویہؓ کو خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا۔)
تم نے جو یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے لیے مسلمانوں میں سے مددگار منتخب فرما کر ان کے ذریعہ آپ کو تقویت دی' اور آپ کی بارگاہ میں ان مراتب کے حساب سے تھے جو اسلام میں فضیلت کے اعتبار سے سب سے افضل اور اللہ اور اس کے رسوح کی خیر خواہی میں سب سے بہتر خلیفہ اول ابو بکر صدیقؓ ہیں' اور پھر ان کی خلیفہ فاروق اعظمؓ ہیں۔ مجھے قسم ہے کہ ان دونوں صاحبوں کا اسلام میں ایک عظیم مرتبہ ہے اور ان کے وصال پر اسلام میں سخت مصائب کا دور آیا' اللہ ان دونوں پر رحم فرمائے اور انہیں ان کے کیے کی بہترین جزا عطا فرمائے۔"

علامہ بحرانی کی شرح:

"نہج البلاغہ" کی شرح کرتے ہوئے علامہ بحرانی نے مذکورہ خطبہ میں چند امور خاص طور پر ثابت کیے جنہیں ہم من وعن نقل کر دیتے ہیں۔

ابن میثم

احدها :- الشعت و الاغبرار وهو اشاره الى قشفهم وتركهم زينه الدنيا ولذاتها۔
الثانی :- بياتهم سجدا و قياما واشاربه الى احيائهم الليل باصلوه و هو كقوله تعالى والذين يبيتون لربهم سجدا وقياما۔
الثالث :- مراوحتهم بين جباههم و خدود

هم و قد کان احدهم اذا تعبت جبهته من
طول السجود رواح بینها و بین خدیه۔
الرابع : وقوفهم علی مثل الجمر من ذکر
معادهم و اشاره به قلقهم و وجدهم من ذکر
المعاد و اهوال یوم القیمه کما یقلق
الراقف علی الجمر مما یجده من حرارته۔
الخامس : کان بین اعینهم رکب المعزی
من طول سجودهم و وجه المشابهه ان محال
سجودهم من جباههم کانت قد اسودت وما
تت جلودها وقست کما ان رکب المعزی
کذلک۔
السادس :- انهم کانوا اذا ذکروا الله هملت
اعینهم حتی تبل جیوبهم ومن روی جبا
ههم فذلک فی حال سجودهم ممکن وما
دوا کما تمید اشجر بالریح العاصف خوفا
من عقاب ربهم ولحاء ثوابه فتاره یکون مبدا
هم و قلقهم عن خوف الله و تاره یکون عن
ارتیاه و اشتیاق الی ما عنده من عظیم توابه
وهو کقوله تعالی الذین اذا ذکر الله وجلت
قلوبهم

("شرح نہج البلاغہ ابن میثم" جلد دوم، خطبہ ۹۴، ص ۴۰۸)

۱- "صحابہ کرامؓ کے بالوں کا پراگندہ ہونا۔ اور غبار آلود ہونا
بایں وجہ تھا کہ انہوں نے دنیا کی لذات اور زینت کو اچھا نہ سمجھے

ہوئے ترک کر دیا تھا۔"

۲۔ "سجدہ اور قیام میں ان کا راتیں بسر کرنا" قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ والذین یبیتون لربھم سجدا و قیاما۔ "اللہ کے بندے رات قیام و سجود میں گزار دیتے ہیں۔"

۳۔ "کبھی پیشانی اور کبھی رخسار پر سجدہ کرنے کی وجہ یہ تھی۔ جب پیشانی پر سجدہ کی طوالت سے تھک جاتے۔ تو رخسار پہ سجدہ کر لیتے۔"

۴۔ "آخرت کو یاد کرتے ہوئے انگاروں پر کھڑا ہونا اس سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ قیامت کی خطرناک حالت کو یاد کر کے بے قرار ہو جاتے۔ جس طرح انگاروں کے پس کھڑا آدمی ان کی حرارت سے خوفزدہ ہو جاتا ہے۔"

۵۔ "ان کی آنکھوں ک درمیان پیشانی پر طول سجدہ کی وجہ سے بکری کے گھٹنے کی طرح نشان سے یہ مراد ہے۔ کہ ان کی پیشانی کا چمڑہ سجدہ کرتے کرتے اس قدر بے حس ہو گیا تھا۔ کہ اس میں سختی اور سیاہی آچکی تھی۔"

۶۔ "اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتے وقت ان کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب جاتیں۔ یہاں تک کہ ان کے گریبان تر ہو جاتے اور جس آدمی نے جباھھم کی روایت کی ہے تو یہ سجدہ کی حلت میں (رونا) ہی ممکن ہے۔ خوف خدا اور امید رحمت سے ایسے لرزتے جس طرح آندھی میں درخت ادھر ادھر جھلتا ہے۔ پس کبھی ان کا لرزنا اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہوتا اور کبھی اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم کے اشتیاق میں ہوتا۔ اس میں ایک آیت کی طرف اشارہ ہے۔ "الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم" وہ لوگ کہ جب اللہ کی یاد ہوتی ہے۔ ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔"

خلاصہ کلام:

"علامہ بحرانی شیعی" نے جو امور ذکر کیے، ثابت کیا ہے کہ یہ سب

حضرت علیؓ کے خطبہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں درحقیقت ان آیات کی طرف اشارہ ہے۔ جو کامل الایمان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نازل فرمائی ہیں۔ جیسا کہ ہم نے "دلیل ہفتم" میں اس کو وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ لہٰذا اس تشریح و تفسیر سے بھی معلوم ہوا کہ جملہ صحابہ کرامؓ کامل الایمان تھے اور اللہ کے ہاں مغفور و مرحوم اور جنتی ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے کامل الایمان اور جنتی ہونے پر ایک اور دلیل

آیت:

انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم اٰیتہ زادتھم ایمانا و علیٰ ربھم یتوکلون ○ الذین یقیمون الصلوٰة و مما رزقنٰھم ینفقون ○ اولٓئک ھم المومنون حقا لھم درجٰت عند ربھم ومغفرة ورزق کریم ○

(پ ۹ ع ۱۰)

"کامل مومن تو صرف وہی ہیں کہ خدا کا نام لیا جاتا ہے، تو ان کے دل (اس کی ہیبت اور جلال سے) ہل جاتے ہیں، اور جب اس کی آیتیں ان پر پڑھی جاتی ہیں، تو ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں، اور وہ صرف اپنے پروردگار پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ جو (باقاعدہ) نمازیں پڑھتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے۔ اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ وہی لوگ حقیقی مومن ہیں انہی کے لیے ان کے پروردگار کے پاس درجے ہیں۔ اور بخشش ہے۔ اور آبرو کی

CamScanner

روزی"

حضرت علیؓ لقب صدیق و فاروق کے ساتھ ابو بکرؓ اور عمرؓ کو موسوم فرماتے تھے

(علی المرتضٰیؓ نے امیر معاویہؓ کو خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا)
"تم نے جو یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے لیے مسلمانوں میں سے مددگار منتخب فرما کر ان کے ذریعہ آپ کو تقویت دی' اور آپ کی بارگاہ میں ان مراتب کے حساب سے تھے' جو اسلام میں فضیلت کے اعتبار سے ان کو ملے۔ تمہارے خیال کے مطابق ان میں سے اسلام کے اعتبار سے سب سے افضل اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی خیر خواہی میں سب سے بہتر خلیفہ اول ابو بکر صدیقؓ ہیں' اور پھر ان کے خلیفہ فاروق اعظمؓ ہیں۔ مجھے قسم ہے کہ ان دونوں صاحبوں کا اسلام میں ایک عظیم مرتبہ ہے' اور ان کے وصال پر اسلام میں سخت مصائب کا دور آیا۔ اللہ ان دونوں پر رحم فرمائے' اور انہیں ان کے کیے کی بہترین جزا عطا فرمائے۔

خلاصہ کلام

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا ان دونوں حضرات کو "صدیقؓ و فاروقؓ" کہنا اور پھر ان کے وصال پر اسلام کو نقصان عظیم پہنچنے کا ارشاد فرمانا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ ان کو خلیفہ برحق تسلیم کرتے تھے۔ تبھی ان کے لیے دعائے رحم اور جزائے خیر کی دعا کی۔ بالفرض اگر یہ حضرات ناجائز خلیفہ اور غیر شرعی ہوتے' تو ان کے وصال پر اسلام کو بجائے نقصان کے فائدہ

پہنچتا' اور سجدہ شکر ادا کیا جاتا۔ نہ کہ دعائے خیر کی جاتی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرما رہے ہیں کہ ان کا اسلام میں عظیم مرتبہ تھا' اور ان کا وصال اسلام کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔ خدا رحمت کند بر عاشقان پاک طینت را۔ اگر حضرت علیؓ کے نزدیک ان کا اسلام اور ان کی خلافت ناجائز اور فریب ہوتا۔ تو بعد از وصال دعائے مغفرت نہ کی جاتی۔ کیوں کہ یہ مسلمہ بات ہے کہ کافر کے لیے دعائے مغفرت بھی کفر ہے۔

قول علیؓ: جب ابو بکرؓ و عمرؓ خلافت کا حق ادا کر دیا تو

ہم نے ان سے ناراضگی چھوڑ دی

واقعہ صفین

قال اما بعد فان الله بعث النبی صلی الله علیه واله فالقذبه من الضلاه والغش به من الهلکه وجمع به بعد الفرقه ثم قبضه الله الیه وقد ادی ما علیه ثم استخلف الناس ابابکر ثم استخلف ابوبکر عمر و احسنا السیره وعدلا فی الامه وقد وجدنا علیهما ان تولیا الامر دوننا ونحن ال الرسول واحق بالامر فغفرنا ذالک لهما۔

("وقعہ صفین" ص ۱۴۹' مطبوعہ عباسیہ بیروت)

"حمد و صلوۃ کے بعد حضرت علی المرتضےٰؓ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بھیج کر لوگوں کو گمراہی اور ضلالت سے نجات دی' اور ان کے ذریعہ لوگوں کو ہلاکت سے بچایا۔ مختلف ٹکڑوں

میں بٹے ہوئے لوگوں کو ایک جا جمع فرمایا۔ پھر اللہ نے آپ کو اپنے پاس بلایا۔ بلانے سے قبل آپ نے اپنے ذمہ تمام امور ادا کر دیئے تھے۔ آپ کے بعد لوگوں نے ابو بکر کو خلیفہ بنایا' اور ابو بکرؓ نے عمرؓ کو خلیفہ بنایا۔ یہ دونوں سیرت و کردار میں اعلیٰ پایہ کے انسان تھے' اور امت میں خوب عدل کیا۔ ہمیں ان دونوں سے یہ شکایت تھی کہ ہم آل رسول جو خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔ ہم سے بغیر پوچھے یہ لوگ خلیفہ بن گئے' لیکن ہم نے ان کی اس غلطی کو معاف کر دیا۔ (کیوں کہ امت میں عدل و انصاف کرنا ہی ہمارا مقصود تھا۔ جو انہوں نے بخوبی انجام دیا۔)"

مذکورہ خطبہ سے ثابت ہوا کہ

۱۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی حسن سیرت اور امت میں عدالت کی برقراری کی تعریف و تحسین فرمائی۔

۲۔ ابتدا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے مشورہ نہ کرنے کی وجہ سے کچھ ناراضگی تھی' اور ان کا خیال تھا کہ آل رسول ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی خلافت کا حق ہمیں پہنچتا ہے' لیکن جب منشاء خلافت دیکھا کہ ان دونوں نے سیرت کا اعلےٰ معیار اپنایا اور امت میں عدالت فرمائی' تو ناراضگی دور فرمادی' اور صاف اعلان فرمایا کہ ہم نے انہیں معاف کر دیا۔

حضرت علی ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے

"ثم قال و تهيا للصلوة و حضرت المساجد وصلى خلف ابى بكر۔"

CamScanner

پھر حضرت علی اٹھے' اور نماز کی تیاری کر کے مسجد میں تشریف لائے' اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

("تفسیر قمی" ص ۵۰۳)

اگر مسئلہ خلافت "اصول دین" میں سے ہوتا' اور یہ حق صرف اور صرف حضرت علیؓ کا ہوتا تو ابو بکر اس کے غاصب بن کر اور اصول دین کے منکر ہو کر (معاذ اللہ) اسلام سے خارج ہو جاتے' اور خارج از اسلام کی بیعت پھر اس کے پیچھے نماز جیسی اہم عبادت ایک عام مسلمان بھی نہیں سوچ سکتا۔ چہ جائے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسی عظیم شخصیت ان دونوں باتوں کا ارتکاب کرتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ امر خلافت "اصول دین" میں سے نہیں۔ پھر تقاضائے بشری کے مطابق اگر ابتدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بعض وجوہ کی بنا پر ناراضگی بھی تھی' تو آپ نے اسے ختم فرما دیا تھا' اور معاف کر دیا تھا اب میں شیعہ حضرات سے پوچھتا ہوں کہ حضرت علی نے معاف کر کے امر خلافت ابو بکرؓ کو سپرد کر دیا' تو تمہاری ناراضگی اب کیا کر سکتی ہے' نہ تو تم ابو بکر صدیقؓ سے خلافت چھین سکتے ہو' اور نہ تمہاری ناراضگی سے حضرت علیؓ کو معافی میں کچھ ردوبدل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا تم خود بتاؤ۔ اس ناراضگی سے تم کیا چاہتے ہو۔ جو تم چاہتے ہو' وہ تو مل نہیں سکتا۔ البتہ اس ناراضگی کا ثمرہ اللہ سے ضرور پاؤ گے۔ اس کے لیے انتظار کرو۔

حضرت علیؓ کے نزدیک شیخین خلیفہ عادل تھے' حق پر رہے اور حق پر ہی ان کا وصال ہوا

اماماں عادلان قاسطان کانا علی الحق وماتا علیہ فعلیہما رحمۃ اللہ یوم القیمۃ

"وہ دونوں (ابو بکرؓ، عمرؓ) عادل اور منصف امام تھے۔ دونوں حق پر رہے' اور حق پر ہی دونوں کا وصال ہوا۔ قیامت کے دن ان دونوں پر اللہ کی رحمت ہو۔" ("احقاق الحق" ص ١٦)

مقام غور

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ابو بکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی اس طرح شان بیان کرنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ ان حضرات کی تمام زندگی اور پھر وفات "حق" پر تھی۔ لہٰذا کسی دور میں قبول اسلام کے بعد ان میں کفر داخل نہ ہوا۔ دراصل امام موصوف کا یہ ارشاد ایک سائل کے جواب میں وارد ہوا۔ جس کے ذریعہ شیخین کی شان میں زبان طعن دراز کرنے والوں کا آپ نے رد فرمایا۔

امام حسنؓ خلفائے ثلاثہ کو خلفائے راشدین سمجھتے تھے' امام حسن کا خطبہ

ومن كلامه عليه السلام ما كتبه فى كتاب الصلاح الذى استقربينه وبين معاويه حيث رائى حقن الدماء واطفاء الفتنه وهو بسم الله الرحمن الرحيم هذا ما صالح عليه الحسن بن على بن ابى طالب معاويه بن سفيان صالحه على ان يسلم اليه ولايه امر المسلمين على ان يعمل فيهم

بکتاب اللہ تعالی وسنه رسول الله صلی
الله علیه وسلم و سیره الخلفاء الراشدین
ولیس لمعاویه بن ابی سفیان ان یعهد الی
احد من بعده عهدا بل یکون الامر من بعده
شوری بین المسلمین وعلی ان الناس امنون
حیث کانوا من ارض الله شامهم وعراقهم و
حجازهم ویمنهم

("کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ" جلد اول، ص ۵۷۰، مطبوعہ تبریز، تذکرہ امام حسن فی کلامہ و مواعظہ)

"حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس میں سے یہ بھی تھا، اور یہ تحریر اس کتاب اصلاح میں تھی۔ جو ان دونوں کے درمیان تحریر ہوئی۔ جب کہ آپ نے ضروری سمجھا کہ فتنہ فرو ہو جائے، اور خون محفوظ ہو جائیں، اور وہ مضمون یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ صلح نامہ ہے، جو حسن بن علی بن ابو طالب اور معاویہ بن ابو سفیان کے درمیان طے پایا، وہ صلح یہ تھی۔ مسلمانوں کی ولایت میں تمہیں اس شرط پر سپرد کرتا ہوں کہ تم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت خلفائے راشدین کے مطابق عمل کرو گے، اور معاویہ بن ابو سفیان کو اس بات کی قطعاً اجازت نہ ہو گی کہ وہ اس کے کسی سے اس قسم کا معاہدہ کرے، بلکہ پھر معاملہ مسلمانوں کی باہمی مشاورت سے ہو گا، اور اس بات پر بھی کہ مسلمان شام، عراق، حجاز اور یمن میں جہاں کہیں ہوں۔ امن سے ہوں گے۔"

خلفائے ثلاثہ کی گستاخی کرنے والوں کے حق میں امام زین العابدینؒ نے بددعا فرمائی

وقدم الیہ نفر من العراق فقالوا فی ابی بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم فلما فرغوا من کلامہم قال لہم الا تخبرونی انتم المہاجرون الاولون الذین اخرجوا من دیارہم و اموالہم یبتغون فضلا من اللہ و رضواناً و ینصرون اللہ و رسولہ اولٰئک ہم الصادقون؟ قالوا لا قال فانتم الذین تَبَوَّئوالدّار والایمان من قبلہم یُحِبّون من ھاجر الیہم ولا یجدون فی صدورہم حاجۃ مما اوتو ویوثرون علٰی انفسہم ولو کان بہم خصاصہ قال لا قال اما انتم قد تبراتم ان تکونو من احد ھذین الفریقین و انا اشہد انکم لستم من الذین قال اللہ فیہم والذین جاء وا من بعدہم یقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا اخرجوا عنی فعل اللہ بکم

("کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ" جلد دوم، ص ۷۸، مطبوعہ تبریز فی فضائل الامام زین العابدین)

"امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس عراقی وفد آیا، اور

اس نے ابوبکر صدیق عمر فاروق اور عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں کچھ نازیبا الفاظ کہے۔ جب وہ تبرہ بازی کر چکے' تو امام زین العابدین نے انہیں کہا' کیا تم مجھے اس کی خبر نہیں دیتے کہ بقول قرآن جو لوگ "پہلے پہل مہاجرین جنہیں ان کے گھروں اور اموال سے دور کر دیا گیا' وہ اللہ سے اس کا فضل اور رضامندی چاہتے ہیں' اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ وہی سچے ہیں" کیا تم ان میں سے ہو۔ انہوں نے کہا' نہیں۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا' کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جن کی شان یہ ہے کہ وہ لوگ جو ہجرت کرنے والوں سے پہلے دار الہجرت میں مقیم اور ایمان پر قائم ہیں' اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں کو دوست رکھتے ہیں' اور جو کچھ ہجرت کرنے والوں کو دیا گیا اس کے متعلق اپنے دلوں میں خواہش نہیں رکھتے' اور اپنی ذات پر مہاجرین کو ترجیح دیتے ہیں' اگرچہ انہیں اس کی خود بھی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ (القرآن) کہنے لگے ہم ان میں سے بھی نہیں۔ پھر امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم خود ہی ان دو فریقوں میں سے ہونے کا انکار کر بیٹھے' اور میں تمہارے بارے میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ تم اس فریق میں بھی نہیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ "وہ لوگ جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں' اے ہمارے رب! ہمیں بخش' اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش جو ہم سے ایمان میں سبقت لے گئے' اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کے حق میں کھوٹ نہ رکھ۔ یہ فرما کر انہیں حکم دیا کہ میرے سامنے سے دور ہو جاؤ' اور اللہ تمہاری بدکلامی کی تمہیں سزا دے۔"

خلفائے ثلاثہ حضور علیہ السلام کے لیے بمنزلہ کان، آنکھ اور دل ہیں

قال حدثنی علی بن محمد بن علی الرضا عن ابیہ عن ابائہ عن الحسن بن علی عیتھم السلام قال قال رسول اللہ ﷺ ان ابابکر منی بمنزلہ السمع و ان عمر منی بمنزلہ البصروان عثمان منی بمنزلہ الفوو قال فلما کان من الغدد خلت الیہ و عندہ امیر المومنین علیہ السلام و ابوبکر و عمر و عثمان فقلت لہ یا ابہ سمعتک تقول فی اصحابک ھولاء قولا فماھو فقال علیہ السلام نعم ثم اشاربیدہ الیھم فقال ھم السمع والبصروالفوادوسیسالون عن ولایہ وصی ھذاواشارالی علی بن ابی طالب علیہ السلام ثم قال ان اللہ عزوجل یقول ان السمع و البصرو النو اولئک کان عنہ مسئولاثم قال صلی اللہ علیہ وسلم وعزہ ربی ان جمیع امتی لمو قوفون یوم القیمہ و مسئولون عن ولایہ وذالک قول اللہ عزوجل و قفوھم انھم مسئولون

("معانی الاخبار" مصنفہ شیخ صدوق، ص ۳۸۷-۳۸۸، مطبوعہ بیروت، طبع جعید بات نوادر المعانی)

"امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا' ابوبکرؓ بمنزلہ میرے کان کے اور عمر فاروقؓ بمنزلہ میری آنکھ کے اور عثمان غنیؓ بمنزلہ میرے دل کے ہیں۔ پھر جب دوسرا دن آیا' تو میں حضورؐ کے پاس حاضر ہوا' اس وقت ان کے پاس حضرت علیؓ' ابوبکرؓ' عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہم بیٹھے تھے۔ میں نے عرض کی' ابا جان! کل آپ کی زبان اقدس سے خلفائے ثلاثہؓ کے بارے میں یوں کلام سنا تھا۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں! پھر آپ نے ان کی طرف اشارہ فرما کر کہا' وہ سمع' بصر اور فواد ہیں' اور عنقریب میرے اس وصی کے بارے میں ان سے سوال ہو گا' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ پھر فرمایا' اللہ تعالیٰ"

علی علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل نسب وصہر منقطع یوم القیمہ الا نسبی وسببی

۱۔("امالی شیخ طوسی جلد اول" ص ۳۵۰' الجزالثانی عشر)

۲۔(شرح نہج البلاغہ ابن حدید" جلد سوم' ص ۱۲۴ فی تزویج عمر ام کلثوم بنت علی طبع جدید مطبوعہ بیروت)

"حضرت ﷺ نے فرمایا' بروز قیامت میرے نسب اور سسرال کے علاوہ تمام کے انساب اور سسرال کی نسبت ختم ہو جائے گی۔"

خلفائے ثلاثہ کو قیامت میں امام حسین رضی اللہ عنہ پانی پلائیں گے

اعمش وہ آدمی ہے' جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دس ہزار فضائل زبانی یاد تھے۔ یہ اپنا ایک واقعہ ذکر کرتا ہے کہ میں سویا ہوا تھا۔ مجھے خلیفہ وقت منصور نے طلب کیا۔ میں اٹھا' اور خلیفہ کے پاس پہنچا' اس نے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا یہ واقعہ سنایا۔ (جس کو سید ھاشم بحرانی شیعی نے "حلیۃ الابرار" میں نقل کیا ہے۔)

جب میں اموی حکومت کے خوف سے اپنی جان بچانے کے لیے شہر شہر مارا مارا پھر رہا تھا' تو میں نے شام کے کسی شہر میں نماز صبح باجماعت ادا کی۔ میرے ساتھ صف میں بائیں جانب ایک نوجوان پگڑی باندھے کھڑا تھا۔ پگڑی سے اس نے اپنا چہرہ بھی ڈھانپ رکھا تھا۔ جب اس نے رکوع کیا' تو اس کا عمامہ گر گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ اور سر خنزیر کے چہرہ اور سر جیسا تھا' اسے دیکھ کر مجھے اتنا خوف آیا کہ میں نماز پڑھنا بھول گیا۔ نماز سے فراغت کے بعد میں نے اس کے سر اور چہرہ کی حالت تبدیل ہونے کی وجہ پوچھی۔ وہ اتنا رویا کہ مرنے کے قریب ہو گیا تھا۔ پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑا' اور مجھے گھر لے گیا' اور ایک جگہ دکھا کر ایک واقعہ سنانا شروع کیا کہ میں مسجد میں مؤذن تھا' اور امامت بھی میں ہی کراتا تھا' اور ہر اذان و اقامت کے درمیان ایک ہزار مرتبہ "علی" پر لعنت بھیجا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ جمعہ کے دن اذان و اقامت کے درمیان میں نے چار ہزار مرتبہ علی پر لعنت بھیجی۔ نماز سے فراغت پر میں گھر آیا' اور اس جگہ جو تمہیں دکھائی ہے' آکر سو گیا' پھر مجھے خواب آیا۔ (اس کے خواب کو علامہ بحرانی شیعی نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔)

راسی راس خنزیر و وجهی وجه خنزیر علی ما تری

("حلیہ الابرار" جلد اول' باب ۱۶' ص ۳۰۲' فی حدیث الاعمیق مع المنصور مطبوعہ قم ایران)

"میں خواب میں گویا جنت کے دروازے پر پہنچا ہوں۔ میں نے اس میں سبز زمرد کا ایک گنبد دیکھا۔ جو استبرق اور دیباج سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس گنبد کے قریب موتی سے جڑی ہوئی کرسی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیٹھے دیکھا۔

اور پھر ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کو اکٹھے بیٹھے گفتگو کرتے دیکھا' یہ سب بڑے خوش تھے' اور ایک دوسرے کو مبارک بادیاں دے رہے تھے' پھر میں نے دوسری طرف دیکھا' تو مجھے رسول اللہ ﷺ آتے دکھائی دیے۔ آپ کی دائیں جانب امام حسین چاندی کا پیالہ لیے ہوئے اور بائیں جانب امام حسینؓ ہاتھ میں چاندی کا پیالہ تھامے تشریف لا رہے تھے۔ حضورؐ نے امام حسینؓ سے پانی پلوانے کو کہا' انہوں نے آپؐ کو پانی پلایا۔ پھر آپؐ نے امام حسینؓ کو فرمایا' اس جماعت کو بھی پلاؤ' تو انہوں نے ابو بکرؓ' عمرؓ اور عثمان غنیؓ کو پلایا' اور حضرت علیؓ کو بھی پلایا۔ پھر حضور ﷺ نے امام حسینؓ کو فرمایا' اس اونچی جگہ پر تکیہ لگا کر بیٹھنے والو کو پلاؤ۔ تو امام نے عرض کی' ابا جان! آپ اس کو پلانے کا حکم دے رہے ہیں' اور وہ میرے والد علی پر روزانہ ایک ہزار مرتبہ لعنت کرتا ہے' اور آج جمعہ کے دن اس نے چار ہزار مرتبہ لعنت بھیجی ہے' تو حضور ﷺ نے مجھے غصہ میں کہا' تو علی پر کیوں لعنت کرتا ہے۔ اللہ تجھ پر لعنت کرے' آپ نے یہ الفاظ تین مرتبہ کہے' تجھ پر افسوس ہے کہ تو علی کو برا بھلا کہتا ہے' اور وہ مجھ سے ہے میں اس سے ہوں۔ تجھ پر اللہ کا غضب آپ نے یہ الفاظ تین مرتبہ کہے' اور کہا اللہ تیری نعمتوں کو تبدیل کر دے۔ تیرے منہ کو سیاہ کر دے۔ تیری خلقت تبدیل کر دے۔ یہاں تک کہ دوسروں کے لیے عبرت بن جائے۔ یہ خواب دیکھ کر میں بیدار ہوا' تو اس وقت میرا سر خنزیر کا سر اور میرا چہرہ خنزیر کے چہرہ کی مانند ہو گیا' جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو"۔

CamScanner

خلفاء ثلاثہؓ کے ناموں پر ۱۲ اماموں کی اولاد کے نام

حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کا خلفاء ثلاثہ سے محبت کا ایک اور مظاہرہ

(بحوالہ شیعہ کتب)

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ اور آپ کی والدہ اپنے اپنے بچوں کے نام حضرات خلفاء ثلاثہ (سیدنا ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ) کے نام نامی پر رکھے تھے۔ محبت و مودت، عقیدت و عظمت کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ کیا کبھی کسی نے یہ دیکھا ہے کہ لوگوں نے اپنے دشمنوں اور کافروں کے نام پر اپنے محبوب بچوں کے نام رکھے ہوں؟ کیا کسی نے اپنے بچوں کے نام ابلیس، فرعون، ہامان، نمرود، شداد، ابوجہل اور ابولہب رکھے ہیں؟ کیوں؟ اس لیے کہ وہ خدا کے دشمن اور اس کے پیغمبر علیہم السلام کے دشمن تھے۔ ان کا نام رکھنا تو در کنار سننا بھی گوارا نہیں اور اگر کسی نے کہہ بھی دیا تو پھر دیکھئے کتنی صلواتیں سناتے ہیں؟ اسی طرح معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضرات خلفاء ثلاثہ و ازواج مطہرات خدا اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن ہوتے تو کیا خاندان نبوت کے یہ اکابرین کبھی ان کے ناموں پر اپنے بچوں کا نام نامی رکھتے؟ سوچئے اور تقیہ کی نقاب الٹا کر دیکھئے آپ کو حقیقت کا چہرہ نہایت روشن نظر آئے گا اور تمام شکوک و شبہات یکدم رفع ہو جائیں گے۔

کوئی صاحب یہ نہ سوچیں کہ یہ سب فرضی قصے ہیں نام کہیں نہیں۔ تو لیجئے شیعہ حضرات کی مشہور اور معتبر کتابوں سے ان کا نام سلسلہ وار تحریر ہے۔

۱۔ اولادِ علی المرتضیٰؓ

حسنؓ، حسینؓ، عباس، محمد، ابوبکر، عمر، عثمان، بلال، عائشہؓ، حفصہؓ، میمونہؓ وغیرہ۔

(تاریخ الائمہ ص ۴۳، کشف الغمہ اربلی (۶۸۷ھ) ص ۱۴۲، جلاء العیون (علامہ مجلسی ۱۱۱۱ھ) ص ۱۹۳، منتہی الامال (قمی ۱۳۵۹ھ) ص ۱۳۶)

۲۔ فرزندان حضرت حسنؓ

قاسم، عبداللہ، حسن مثنیٰ، زید، عبدالرحمٰن، ابوبکر، عمر، اسمٰعیل وغیرہ۔

(تاریخ الائمہ ص ۶۳، کشف الغمہ ص ۱۷۱، جلاء العیون ص ۳۰۲)

۳۔ فرزندان حسینؓ

عابد، علی اکبر، علی اصغر، زید، ابراہیم، محمد، حمزہ، ابوبکر، جعفر، عمر وغیرہ۔ یہ کربلا میں شہید ہوئے۔۔۔

(تاریخ الائمہ ص ۸۳)

۴۔ حضرت زین العابدینؒ

حضرت زین العابدینؒ نے بھی اپنے صاحبزادے کا نام عمر رکھا۔

(کشف الغمہ، ص ۲۰۰، جلاء العیون، ص ۱۰۷، تاریخ الائمہ، ص ۹۹)

۵۔ حضرت موسیٰ کاظمؒ

انہوں نے بھی اپنے بیٹے کا نام عمر اور ابوبکر رکھا تھا۔ اور اپنی بیٹی کا نام عائشہ رکھا۔

کشف الغمہ، جلد ۳، ص ۱۰، تاریخ الائمہ، ص ۱۵۳... کتاب الارشاد للشیخ محمد بن نعمان مفید، ص ۲۸۳)

۶۔ حضرت علی رضاؒ

انہوں نے بھی اپنی لڑکی کا نام عائشہ رکھا۔

(کتاب الارشاد و کشف الغمہ، جلد ۳، ص ۸۶)

یہ وہ حوالے ہیں جو کتب شیعہ میں درج ہیں جن کا انکار ممکن نہیں۔ یہاں تو تقیہ کی سیاہ چادر سے بھی تاریکی نہیں آسکتی۔ جس سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ان حضرات گرامی قدر کے مابین عداوت و نفرت کے جو جو قصے اور حکایتیں وضع کی گئی ہیں وہ سب غلط اور جھوٹی ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ حضرات.... آپس میں ایک دوسرے کے رفیق و شفیق، محب و ناصح، دوست و یار، ہمدرد و غمگسار اور قرآنی ارشاد "رحماء بینہم" کے کامل مصداق تھے۔

(از کتاب رحماء بینہم، مولفہ محقق زمان مولانا محمد نافع)

حضرت علیؓ نے خلفاء ثلاثہؓ سے محبت کی وجہ سے اپنے بیٹوں کے نام ابوبکر، عمر اور عثمان رکھے

قال المفید رحمہ اللہ اولاد امیر المومنین علیہ السلام سبعہ وعشرون ولدا ذکرا وانثی الحسن والحسین وزینب الکبری وزینب

الصغری المکناه ام کلثوم امهم فاطمه
البتول سیده نساء العالمین بنت سید
المرسلین محمد خاتم النبیین صلی الله
علیه وسلم وعلیهم اجمعین و محمد
المکنی ابا القاسم امه خوله بنت جعفر بن
قیس الحنفیه و عمر و رقیه کانتا توامین و
امهما ام حبیبه بنت ربیعه والعباس و جعفر و
عثمان و عبدالله الشهداء مع اخیهم
الحسین صلوات الله علیه و علیهم اسلام
بطف کربلا امهم ام البنین بنت حزام بن
خالد بن دارم و محمد الاصغر المکنی
ابابکر و عبیدالله الشهیدان مع اخیهما
الحسین علیه السلام بالطف امهما لیلا
بنت مسعود الدارمیه و یحی و عون امهما
اسماء بنت عمیس الخثعمیه رضی الله
عنها و ام الحسن و رمله امها ام مسعود بن
غزوه بن مسعود الثقفی و نفیسه و زینب
الصغری و رقیه الصغری و ام هانی و ام الکرام
و جمانه المکناه بام جعفر و امامه و ام سلمه
و میمونه و خدیجه و فاطمه رحمه الله
علیهن لامهات اولاد شتی

("کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ" جلد نمبر ۱، ص ۴۴۰، فی ذکر اولاده علیه السلام)

"شیخ مفید نے کہا" کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بچے بچیاں

کل ستائیس تھے۔ حسن ' حسین ' زینب کبریٰ ' زینب صغریٰ کنیت ام کلثوم ان کی والدہ حضرت سیدہ فاطمہ بنت رسول تھیں۔ محمد کنیت ابو قاسم ان کی والدہ خولہ بنت جعفر تھیں۔ عمر ' رقیہ یہ دونوں جڑواں تھے۔ ان کی والدہ ام حبیبہ بنت ربیعہ تھیں۔ عباس ' جعفر ' عثمان ' عبداللہ یہ اپنے بھائی امام حسین کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوگئے تھے۔ ان کی ماں ام البنین بنت حزم تھیں۔ محمد اصغر کنیت ابوبکر ' عبیداللہ یہ دونوں بھی امام حسین کے ساتھ کربلا میں شہید ہوگئے تھے۔ ان کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود تھیں۔ یحییٰ ' وعون ان کی والدہ اسماء بنت عمیس تھیں۔ ام الحسن رملہ ان کی والدہ ام مسعود بن عروہ تھیں۔ نفیسہ ' زینب صغریٰ ' رقیہ صغریٰ ' ام ھانی ' ام کرام ' جمانہ کنیت ام جعفر ' امامتہ ' ام سلمہ۔ میمونہ ' خدیجہ ' فاطمہ رحمہ اللہ علیہن مختلف ماؤں کی اولاد تھیں۔"

("کشف الغمہ" ' جلد اول ' ص ۴۴۱ پر یوں بھی مذکور ہے۔)

الذکور الحسن والحسین ومحمد الاکبر وعبداللہ وابوبکر ' العباس وعثمان وجعفرو عبداللہ ومحمد الاصغرویحیی وعون وعمرو محمد الاوسط علیہم السلام۔

نواں باب

مشترکہ فضیلت کے اعلان کے بعد آئمہ اہلیت کی طرف سے علیحدہ علیحدہ خلفاء کی عظمت کا اعتراف

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں آئمہ کے ارشادات

آیت: اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔ (پ۱۰ ع۱۱)

"جب کفار نے انہیں مکہ سے نکال دیا تو وہ اس وقت دو میں کا دوسرا تھا۔ جس وقت وہ دونوں غار میں تھے، جب ایک (رسول اللہ ﷺ) دوسرے کو فرما رہا تھا، غم نہ کریں یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غار ثور میں ابو بکر کے حجابات کو اٹھا کر لقب "صدیق" عطا فرمایا

فانہ حدثنی ابی عن بعض رجالہ رفعہ الی ابی عبد اللہ قال لما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فی الغار قال لابی بکر کانی

انظرالی سفینه جعفرفی اصحابه یقوم فی البحروانظرالی الانصارمحبین فی افنیتهم فقال ابوبکر وتراهم یارسول الله قال نعم قال فارنیهم فمسح علی عینه فراهم فقال له رسول الله (ﷺ) انت الصدیق.

(تفسیر قمی' ص ۲۶۵ تا ۲۶۶' مطبوعہ ایران طبع قدیم)

"حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں' جب حضور ﷺ ہجرت کی رات غار میں تھے تو آپ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فرمایا' میں جعفر طیارؓ اور ان کے ساتھیوں کو اس کشتی میں بیٹھے دیکھ رہا ہوں جو دریا میں کھڑی ہے اور میں انصار کو بھی اپنے گھروں کے صحنوں میں بیٹھے دیکھ رہا ہوں۔ یہ سن کر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ازراہ تعجب عرض کی' کیا آپ واقعی دیکھ رہے ہیں! فرمایا' ہاں۔ عرض کی' مجھے بھی دکھلا دیجئے۔ تو آپ نے ابو بکرؓ کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا' پھر انہیں بھی یہ سب کچھ نظر آ گیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا' تو "صدیق" ہے"۔

غار ثور میں گھرانہ ابو بکر صدیقؓ کی بے مثال خدمات اور قربانیاں

پس پیغمبر (ﷺ) شب پنج شنبه در شر مکه امیر المومنین (ع) را بر جائے خود بخوا بانید و خود را از خانه ابوبکر برفاقت اد بیرون آمده بداں غار توجه نمود و شب آنجا بیتوته فرمود...... مجاہد گوید که رسول (ﷺ) سه شبانه روز در غار بود- واز عروه

روایت است کہ ابوبکر راگو سفندی چند بود۔ نماز شام عامر بن فہیرہ آں گو سفنداں رابر در غار راندی وایشاں از شیر گو سفنداں۔ خورد ندی وقتادہ گوید کہ عبدالرحمن در خفیہ بامداد و شبان گاہ آمدی وبرائے ایشاں طعام آوردی۔

(تفسیر منہج الصادقین، جلد چہارم، ص ۲۷۰)

"شب جمعرات کو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلایا اور خود ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں ان کے گھر سے "غار ثور" کی طرف روانہ ہوئے اور رات وہیں آرام فرمایا (آگے چل کر اسی تفسیر میں لکھا ہے) مجاہد کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین رات دن وہاں غار میں قیام پذیر رہے۔ عروہ سے روایت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی چند بھیڑ بکریاں تھیں۔ نماز مغرب کے بعد ابوبکرؓ کے غلام "عامر بن فہیرہ" ان بکریوں کو غار کے دہانے پر لے آتے۔ اور یہ دونوں حضرات ان کا دودھ نوش فرماتے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ کے بیٹے جناب عبدالرحمنؓ خفیہ طور سے صبح و شام انہیں کھانا پہنچاتے رہے"۔

CamScanner

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے کہ ہر حال میں صدیقؓ کے لیے فتح ہے....

حضرت علیؓ کا ارشاد

مرزا تقی شیعہ کے بقول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب جنگ روم کا آغاز کیا اور آپ ہی کے دور میں رومی فتوحات کی ابتدا ہوئی۔ رومیوں سے جنگ کی ابتدا کرنے سے قبل صدیق اکبرؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ آگے مرزا تقی کی عبارت سنیں۔

ابوبکر روئے بعلی علیہ السلام کرد و گفت یا ابا الحسن تا توچہ فرمائی علی فرمود چہ تو خود راہ برگیری وچہ سپاہ بتازی ظفر تر است۔ ابوبکر گفت بشرک اللہ یا ابا الحسن از کجا گوئی؟ فرمود از رسول خدا یمن آمدہ۔

(ناسخ التواریخ، تاریخ خلفاء ص ۲۹۵، جلد اول، طبع جدید تہران، تصمیم ابوبکر بفتح بلاد روم)

"ابوبکرؓ نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف رخ کیا اور پوچھا کہ اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ علی علیہ السلام نے کہا، خواہ آپ خود جنگ کے لیے جائیں خواہ لشکر بھیجیں کامیابی آپ کے لیے ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا، ابوالحسن! اللہ آپ کو بشارت دے یہ آپ کہاں سے (کس دلیل سے) کہہ رہے ہیں۔ کہا، یہ بات رسول خدا سے مجھے ملی ہے۔

روم کے معرکے کے لیے حضرت علیؓ سے مشورہ

وقد شاوره عمر بن الخطاب فی الخروج الی غزوه الروم وقد توکل الله لاهل هذا الدین باعزاز الحوره وستر الحوره والذی نصرهم وهم قلیل لا ینتصرون ومنعهم وهم قلیل لا یمتنعون حی لا یموت انک متی تسر الی هذا العدو بنفسک فتلقهم فتنکب لا تکن للمسلمین کائفه دون اقصی بلادهم لیس بعدک مرجع یرجعون الیه فابعث الیهم رجلا محربا واحفر معه اهل البلاء والنصبحه فان اظهر الله فذاک ما تحب وان تکن الاحری کنت ردا للناس ومشابه للمسلمین۔

(نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۳۴، ص ۱۳۹، مطبوعہ بیروت)

"جب خلیفہ ثانی نے روم پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور آپ سے بھی مشورہ لیا تو آپ نے فرمایا "نواحی اسلام کو غلبہ دشمن سے بچانے اور مسلمانوں کی شرم رکھنے کا اللہ ہی ضامن اور کفیل ہے۔ وہ ایسا خدا ہے جس نے انہیں اس وقت فتح دی ہے جب ان کی مقدار نہایت قلیل تھی اور کسی طرح فتح نہیں پا سکتے تھے۔ انہیں اس وقت مغلوب ہونے سے روکا ہے جب یہ کسی طرح روکے نہ جا سکتے تھے اور وہ خداوند عالم "حی لا یموت" ہے۔ (جیسے اس وقت موجود تھا ویسے ہی اب بھی قائم ہے) اب اگر تو خود دشمن کی

طرف کوچ کرے اور منکوب و مخذول یعنی مغلوب ہو جائے تو یہ سمجھ لے کہ پھر مسلمانوں کو ان کے اقصائے بلاد تک پناہ نہ ملے گی اور تیرے بعد ایسا کوئی مرجع نہ ہو گا جس کی طرف وہ رجوع کریں۔ لہٰذا آپ دشمنوں کی طرف اس شخص کو بھیج دو جو آزمودہ کار ہو اور اس کے ماتحت ان لوگوں کو روانہ کر جو جنگ کی سختیوں کے متحمل ہوں۔ اپنے سردار کی نصیحت کو قبول کریں۔ اب اگر خدا نے غلبہ نصیب کیا تب تو یہ وہی چیز ہے جسے آپ دوست رکھتے ہیں اور اگر اس کے خلاف ظہور میں آیا تو آپ ان لوگوں کے مددگار اور مسلمانوں کے مرجع تو بن ہی جائیں گے۔

غزوۂ احد میں نبی علیہ السلام کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں ابو بکرؓ سر فہرست ہیں

(ولقد عفا الله عنهم) اعاد تعالى ذكر العفو تاكيدا لطمع المذنبين في العفو ومنعا لهم عن الياس وتحسينا لظنون المومنين (ان الله غفور حليم) قد مر معناه وذكر ابو القاسم البلخي انه لم يبق مع النبي (ﷺ) يوم احد الا ثلثه عشر نفسا خمسه من المهاجرين وثمانيه من الانصار فاما المهاجرون فعلي (ع) وابوبكر و طلحه وعبد الرحمن بن عوف وسعد بن ابي وقاص۔

(مجمع البیان، جلد اول، جز دوم، ص ۵۲۴، آل عمران)

"اللہ تعالیٰ نے یقیناً انہیں معاف فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے معافی کا دوبارہ تذکرہ اس لیے فرمایا تاکہ گناہ گاروں کو اپنی معافی کی خواہش پوری طرح پختہ ہو جائے اور ناامیدی ختم ہو جائے اور مومنین کے حسن ظن کو تقویت ملے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً بخشنے والا علم والا ہے۔ اس کا معنی گزر چکا ہے۔ ابوالقاسم بلخی نے ذکر کیا کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ احد کے دن صرف تیرہ آدمی باقی رہے۔ پانچ کا تعلق مہاجرین سے اور آٹھ کا انصار سے تھا۔ مہاجرین کے پانچ یہ تھے 'علی' ابوبکر' طلحہ' عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین"۔

ابوبکرؓ کو "صدیق" نہ کہنے والے کے حق میں امام باقرؒ کی بددعا

وعن عروه بن عبد الله قال سئلت ابا جعفر محمد ابن علی علیه السلام عن حلیه السیوف فقال لا باس به وقد حلی ابوبکر الصدیق رضی الله عنه سیفه قلت فتقول الصدیق قال فوثب وثبه واستقبل القبله وقال نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق فمن لم یقل له الصدیق فلا صدق الله له قولا فی الدنیا والاخره۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ فی معاجز الامام ابی جعفرؒ الباقرؒ جلد دوم' مطبوعہ تبریز ص ۱۴۷)

"عروہ بن عبداللہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ابو جعفر محمد بن علی علیہ السلام سے تلوار کے جڑاؤ کرنے کے بارے

میں سوال کیا تو انہوں نے کہا، اس میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کو زیورات سے آراستہ کیا تھا۔ میں نے پوچھا، آپ بھی ابو بکرؓ کو "الصدیق" کہتے ہیں۔ میری یہ بات سن کر ابو جعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ ایک دم جذبات سے اٹھے اور کہنے لگے، ہاں وہ صدیق ہیں، یقیناً وہ صدیقؓ ہیں اور وہ بلاشک صدیقؓ ہیں اور سنو، جو شخص انہیں صدیقؓ نہیں کہتا، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی بات کو ہر گز سچا نہیں کرے گا"۔

امام تقیؒ فضیلت شیخینؓ کے منکر نہیں تھے

لست بمنکر فضل عمر ولکن ابا بکر افضل من عمر۔

(احتجاج طبری، ص ۲۴۸ طبع نجف اشرف)

"میں (امام تقیؒ) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا منکر نہیں ہوں لیکن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فضیلت میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر ہیں"۔

امام تقیؒ کے اس کلام سے ثابت ہوا کہ وہ شیخینؓ کی فضیلت کے قائل بھی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے نزدیک دونوں میں سے ابو بکرؓ افضل تھے اور یہی اہلسنّت و جماعت کا عقیدہ ہے۔ جس کی تائید امام موصوف کر گئے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابو بکرؓ عزت اور فضل والے تھے

ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعہ ان یوتوا اولی القربی والمساکین والمھاجرین ان

قوله لا یاتل اولوا الفضل منکم الایه نزلت فی ابی بکرؓ و مسطحؓ بن اثاثه۔

(تفسیر مجمع البیان، جز نمبر ۷، جلد ۴، ص ۱۳۳)

"تم میں سے فضیلت والے اور مالی وسعت کے مالک لوگ اس بات کی قسم نہ اٹھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں، مسکینوں اور مہاجرین کی مالی امداد نہیں کریں گے"۔

یہ آیت کریمہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے اپنے خالہ زاد بھائی جناب مسطحؓ بن اثاثہ کی امداد "واقعہ افک" کے سلسلہ میں بند کر دی تھی۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو تمام صحابہؓ کا امام بنایا

فلما اشتد به المرض امر ابا بکر ان یصلی بالناس وقد اختلف فی صلوته بهم فالشیعه تزعم انه لم یصل بهم الا صلوه واحده وهی الصلوه التی خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم منها یتهادی بین علی والفضل فقام فی المحراب مقامه وتاخر ابوبکرؓ والصحیح عندی وهو الاکثر الاشهر انها لم تکن اخر الصلوه فی حیوته صلی الله علیه وسلم بالناس جماعه وان ابابکرؓ صلی بالناس بعد ذلک یومین ثم مات۔

(الدرة النجفیه شرح نہج البلاغہ، ص ۲۲۵، مطبوعہ تہران)

"جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض بڑھ گیا تو آپؐ نے ابوبکرؓ کو حکم

دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھاؤ۔ ابوبکرؓ نے کتنی نمازیں پڑھائیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ صرف ایک نماز پڑھائی اور وہ بھی وہ جس میں شرکت کے لیے حضور ﷺ حضرت علیؓ اور الفضلؓ کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں تشریف لائے۔ حضور ﷺ محراب میں اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے اور ابوبکرؓ وہاں سے پیچھے ہٹ گئے لیکن میرے نزدیک صحیح یہ ہے اور یہی اکثر کا قول اور مشہور ہے کہ مذکورہ نماز حضور ﷺ کی زندگی کی آخری نماز نہ تھی اور یقیناً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد دو دن کی نمازیں لوگوں کو پڑھائیں۔ پھر حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا"۔

یہ اعزاز جسے خدا دے

"نہج البلاغہ" کی شرح سے جو اقتباس پیش کیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خود حضور ﷺ نے مصلی امامت پر کھڑا ہونے کا حکم دیا اور ابوبکرؓ کا انتخاب کرتے وقت حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ وغیرہ بھی موجود تھے اور نماز ایسا اہم رکن اسلام ہے کہ اس کے تارک سے کتا اور خنزیر بھی پناہ مانگتا ہے۔ تو اس سے ہر ذی عقل اور صاحب انصاف یہ سمجھ سکتا ہے کہ ابوبکرؓ کا مقام حضور ﷺ کی نگاہ پاک میں کتنا بلند تھا۔ آپ کا مصلی امامت کے لیے ابوبکرؓ کا انتخاب اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ آپ کی جانشینی بھی انہی کو زیب دیتی ہے۔

امام جعفرؒ ابو بکر صدیقؓ کے قول کو متقی اور عالم قرآن ہونے کی وجہ سے قابل حجت سمجھتے تھے

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں تاریخ ساز کلمات:

هذه احاديث رسول الله صلى الله عليه وسلم يصدقها الكتب والكتب يصدقه اهله من المومنين وقال ابوبكر عند موته حيث قيل له اوص فقال اوصى بالخمس وقد جعل الله له الثلثه عند موته ولو علم ان الثلث خيرله اوصى به ثم من علمتم بعده في فضله وزهده رضي الله عنه وهوابوذر رضي الله عنه فاما سلمان فكان اذا اخذ عطاءه دفع منه قوته لسنه حتى يحضر عطاءه من قابل فقيل له يا ابا عبد الله انت في زهدك تصنع هذا وانت لاتدرى لعلك تموت اليوم فكان جوابه ان قال مالكم لا ترجون لي البقاء كما خفتم على الفناء اما علمتم يا جهله ان النفس قد تلتاث على صاحبها اذا لم يكن من العيش ما تعتمد عليه فاذا هي احرزت معيشتها اطمانت واما ابوذر رضي الله عنه فكان له نويقات وشويهات يحلبها ويذبح منها اذا اشتهى اهله اللحم اونزل به ضيف او

رای باهله الذی معه خصاصه نحر لهم الجزور او من الشیاه علی قدر ما یذهب عنهم بقرم اللحم ویاخذهو نصیب واحد منهم لا یتفضل علیهم ومن ازهد من هئولاء وقد قال فیهم رسول الله ﷺ ما قال۔

(فروع کافی کتاب المعیشۃ' جلد دوم' مطبوعہ نو لکشور' ص ۴' فروع کافی جلد ۵' کتاب المعیشۃ' ص ۶۸ مطبوعہ ایران)

"یہ احادیث رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جن کی تصدیق کتاب اللہ کرتی ہے اور کتاب اللہ کی تصدیق ایمان والے کرتے ہیں جو اس کے سمجھنے کے اہل ہوں' ابو بکرؓ کو جب بوقت وفات وصیت کرنے کو کہا گیا تو فرمایا' میں مال کے پانچویں حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ حالانکہ خدا نے انہیں تیسرے حصہ کی وصیت کرنے کی اجازت دی تھی۔ آپ اگر نہ جانتے کہ تیسرے حصہ کی وصیت کرنے میں ثواب زیادہ ہو گا تو تیسرا حصہ وصیت کر دیتے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد زہد وفضل میں تم ابوذرؓ اور سلمان فارسیؓ کو سمجھتے ہو۔ سلمان فارسیؓ کو کوئی عطیہ دیتا تو وہ پورے سال کی خوراک کا ذخیرہ کر لیتے۔ حتیٰ کہ آئندہ سال کے لیے بھی۔ لوگوں نے پوچھا' آپ زاہد ہو کر ایسا کیوں کرتے ہو' کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اگر آج ہی فوت ہو جاؤ۔ جواب دیا تمہیں میرے زندہ رہنے کی امید نہیں ہے؟ جیسا کہ میرے مرنے کا اندیشہ ہے۔ اے جاہلو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ نفس آدمی پر اس وقت سرکشی کرتا ہے جب تک آدمی اتنی قدر معیشت حاصل نہ کر لے جس پر اسے بھروسہ ہو اور جب اس قدر معیشت مل جاتی ہے تو نفس مطمئن ہو جاتا ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کے

پاس اونٹنیاں اور بکریاں ہوتی تھیں جو دودھ بھی دیتی تھیں اور اگر انھیں گھر والوں کے لیے یا مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے گوشت درکار ہوتا یا اپنے متعلقین کو ضرورت مند دیکھتے تو ان میں سے بکری یا اونٹ ذبح کر لیتے اور سب میں تقسیم فرما دیتے اور اپنے لیے ایک آدمی کی خوراک رکھ لیتے جو دو سروں سے زائد نہ ہو۔ تم جانتے ہو کہ ان تین زاہدوں سے بڑھ کر اور کون زاہد ہو سکتا ہے! حالانکہ حضور ﷺ نے ان کے بارے فرمایا جو کچھ فرمایا"۔ (یعنی حضرت ابوبکرؓ)

حضرت امام جعفر صادقؒ کی نظر میں حضرت ابوبکر

صدیقؓ کا مقام و مرتبہ

اہل بیت کے سرتاج سیدنا امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ 'سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس قدر کامل الایمان سمجھتے تھے کہ ان کے عمل کو بطور حجت پیش فرمایا اور یہی امام ابوبکر صدیقؓ کو ان حضرات میں سے گردانتے ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی اور مزید یہ کہ ابوبکرؓ کا صرف عمل ہی نہیں بلکہ حضور ﷺ کا ان کے بارے تعریفی کلمات ادا فرمانا بھی امام موصوف کی نظر میں بہت اہمیت رکھتا تھا۔

ذکر اسلام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ در مبداء حال ایں خجستہ مال کہ آفتاب عنایت ازلی بر باطن اوپر تو افگند اقوال متعددہ بنظر رسیدہ از آنجملہ یکی آنست کہ ابن محمد ان در تاریخ خویش آوردہ کہ بعد از اسلام

زید بن حارث۔ صدیق در راہ پیش رسول
اللہ آمدہ پرسید کہ آیا راستست آنچہ از
شمار سانیدہ اند کہ نفی الہ ماکردہ و عقلاء
مارا از سفہاء شمردہ و بہ تکفیر آباء و اجداد
ما اشتغال نمودہ حضرت مقدس نبوی
فرمود کہ یا ابابکر من رسول خدائم و نبی
او امر افرستادہ تا تبلیغ رسالت کنم من ترا
میخوانم بخدائی کہ یکیست و شریک
ندارد و بخدا سوگند کہ ایں سخن حق است
انگاہ آیت چند از فرقان بزبان معجز بیان
گزرانیدہ صدیق ایمان آورد و در مستقصے
از قاسم بن محمد نقل کردہ اند کہ قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما عرضت الاسلام
علی احد الا کانت لہ عندہ کسیت فرمود کہ
عمر۔

(تاریخ روضۃ الصفاء' جلد دوم' ص ۳۸۰)

"بیان کرتے ہیں کہ اس سفر میں جب عمرو بن العاص ؓ ایک جماعت کے سپہ سالار تھے جس میں ابوبکر صدیق ؓ اور فاروق اعظم ؓ بھی شامل تھے۔ عمرو بن عاص ؓ کے دل میں یہ خیال آیا کہ حضور ﷺ مجھ سے ان دونوں برگزیدہ بندوں کو زیادہ دوست سمجھتے ہیں۔ پھر اس خیال سے کہ حضور ﷺ صاف صاف الفاظ میں اس خیال کی تصدیق فرما دیں۔ پوچھا' یارسول اللہ! آپ کس کو سب سے زیادہ محبوب سمجھتے ہیں۔ فرمایا' عائشہ ؓ کو۔ میں نے پوچھا'

نہیں مردوں میں سے آپ کا محبوب ترین کون ہے؟ فرمایا' اس کا باپ (صدیق اکبر) پھر پوچھا' اس کے بعد درجہ کس کا ہے؟ فرمایا' عمر بن خطاب کا۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گستاخوں پر خدا کی لعنت ہے

دخل عبدالله بن العباس على معاويه وعنده وجوه قريش فلما سلم وجلس قال له معاويه انى اريد ان اسئلك عن مسائل قال سل عما بدالك وصف ابى بكر قال ما تقول فى ابى بكر قال رحم الله ابابكر كان والله للقران تالياً وعن المنكرات ناهياً وبذنبه عارفاً ومن الله خائفاً وعن الشبهات زاجراً وبالمعروف امراً وباالليل قائماً وبالنهار صائماً فاق اصحابه ورعا وكفافا وسادهم زهدا وعفافا فغضب الله على من ابغضه وطعن عليه۔

(مروج الذہب للمسعودی' جلد سوم' ص ۵۵' مطبوعہ بیروت)

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ" کے پاس گئے۔ اس وقت قریش کے چیدہ چیدہ لوگ وہاں موجود تھے۔ سلام کہنے کے بعد بیٹھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تم سے اے عبداللہ کچھ مسائل دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا' جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو پوچھو۔ پوچھا' ابو بکر صدیق" کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے' وہ کیسے تھے؟ فرمایا' اللہ رحم

کرے ابوبکرؓ پر۔ خدا کی قسم! وہ قرآن پڑھنے والے منکرات سے منع کرنے والے، اپنے گناہوں سے واقف، اللہ سے ڈرنے والے، شبہات سے ڈانٹنے والے، معروف کا حکم کرنے والے، شب بیدار اور دن کو روزہ رکھنے والے تھے۔ تقویٰ، پاکدامنی میں اپنے ساتھیوں سے فوقیت کے لیے، زہد و عفت میں ان کے سردار تھے۔ اللہ اس پر غضب نازل کرے جو ابوبکرؓ سے ناراض ہو"۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت علیؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ اہل بیت میں حضرت علیؓ کے بعد سب سے بلند مرتبہ والے تھے۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں حضرت علیؓ اور ائمہ اہل بیت کی تعلیمات

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ حضرت عمرؓ کو ہمیشہ "امیر المومنین" کہہ کر مخاطب ہوتے تھے تاکہ بعد میں آنے والے کو کسی طرح کی بھی بدگمانی پھیلانے کا موقع نہ ملے۔ ادب و احترام کی اس کیفیت کو شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید (۶۵۶ھ) کی زبانی سنئے:

"(حضرت) علیؓ (حضرت) عمرؓ کو اس وقت سے جب وہ خلیفہ ہوئے ان کی کنیت سے مخاطب نہیں کرتے تھے بلکہ امیر المومنینؓ کہہ کر خطاب کرتے تھے اور یہ بات اسی طرح کتبِ حدیث و کتب سیر و تاریخ میں بیان ہوئی ہے"۔

(شرح نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۶۳۴)

حضرت علی ؓ کی طرف حضرت عمر ؓ کی بیعت

سیدنا حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو آپ نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"میں نے ایک عہد کیا ہے کیا تم اس پر رضامند ہوتے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا کہ اے خلیفہ رسول (ﷺ) ہم اس بات پر راضی ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عمرؓ بن الخطاب کے بغیر ہم کسی دوسرے شخص کے حق میں راضی نہیں ہوں گے"۔

(اسد الغابہ' جلد ۴' ص ۷' صواعق محرقہ' ص ۵۴' ریاض النضرہ' ص ۸۸۴)

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت سیدنا عمر ؓ خلیفۃ المسلمین ہوئے۔ آپ کی سب اصحابؓ بشمول سیدنا علی ؓ نے بھی بیعت فرمائی۔

حضرت علی المرتضیٰ ؓ فرماتے ہیں کہ:

"پس مسلمانوں نے ابو بکرؓ کی بیعت کی تو میں نے بھی مسلمانوں کے ساتھ ان کی بیعت کی۔ پس جب وہ جہاد کے لیے مجھ سے کہتے تو میں جہاد میں شریک ہوتا جب وہ مجھے عطایا و ہدایا دیتے تو میں قبول کرتا...... پس ابو بکرؓ نے (آخری وقت میں) عمرؓ کے حق میں اشارہ کیا اور اس معاملہ میں انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ پس مسلمانوں نے عمرؓ سے بیعت کی۔ میں نے بھی مسلمانوں کے ساتھ عمرؓ کی بیعت کی جب وہ غزوات میں مجھے طلب کرتے تو میں ان کا شریک کار ہوتا اور عطایات و غنائم وغیرہ جب وہ مجھے عنایت کرتے تو میں ان کو قبول کرتا"۔

(کنز العمال' ج ۶' ص ۸۲)

علمائے اہلسنت کی ان کتابوں اور ان حقائق سے شیعہ ناظرین متفق

ہوں تو ان کی تسلی کے لیے شیعہ 'مجتہد شیخ ابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی (۴۶۰ھ) کا قول درج کیا جاتا ہے 'ملاحظہ فرمایئے!

فبایعت ابابکر کما بایعتموه..... فبایعت عمر کما بایعتموه..... فوفیت له ببیعته حتی لما قتل جعلنی سادس سته فدخلت حیث ادخلنی۔

"جس طرح تم نے ابو بکرؓ کی بیعت کی اسی طرح میں نے بھی ان سے بیعت کی..... پھر جس طرح تم نے عمرؓ کی بیعت کی میں نے بھی اسی طرح عمرؓ کی بیعت کی اور بیعت کے حقوق کو میں نے پورا کیا حتیٰ کہ جب عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو عمرؓ نے مجھے چھ آدمیوں (کی کمیٹی) میں ایک ممبر قرار دے کر شامل کیا اور میں نے شامل ہونا قبول کیا"۔

(رحماء بینہم 'حصہ دوم 'ص ۵۷)

شیعہ مصنفین کی اس روایت کے پیش نظر یہی کہا جا سکتا ہے کہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی اور آپ کو امیر المومنین بدل و جان تسلیم کیا تھا---- یہ اور بات ہے کہ شیعہ مجتہدین اس پر تقیہ کی سیاہ چادر اوڑھا دیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شاہ ایران کی لڑکی نواسہؓ رسول کو دی

عن ابی جعفر علیه السلام قال لما اقدمت بنت یزد جرد علی عمر اشرف لها عذاری المدینه واشرق المسجد بضوءها لما دخلته فلما نظر الیها عمر غطت وجهها

وقالت اف بیروج بادا هرمز فقال عمر اتشتمنی هذه وهم بها فقال له امیر المومنین لیس ذالک لک خیرها رجلا من المسلمین واحسبها بنبیسته فخیرها فجاءت حتی وضعت یدها علی راس الحسین فقال لها امیر المومنین مااسمک فقالت جهان شاه فقال لها امیر المومنین بل شهربانو ثم قال للحسین یا اباعبدالله لیلدن لک منها خیر اهل الارض فولدت علی بن الحسین ابن الخیرتین فخیره الله من العرب هاشم ومن العجم فارس وروی ان ابا الاسود الدئلی قال فیه۔

وان غلاما بین کسری وهاشم
لاکرم من نیطت علیه التمائم

(اصول کافی ترجمہ جلد اول، ص ۵۷۹، مطبوعہ کراچی، اصول کافی کتاب الحجہ باب مولد علی ابن حسین، ص ۴۶۷، طبع جدید تہران)

"امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب بنت یزدجرد حضرت عمرؓ کے پاس آئیں تو مدینہ کی باکرہ لڑکیاں ان کا حسن و جمال دیکھنے بالائے بام آئیں۔ جب مسجد میں داخل ہوئیں تو چہرہ کی تابندگی سے مسجد روشن ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے اپنا چہرہ چھپا لیا اور کہا، برا ہو ہرمز کا کہ اس کے سوئے تدبیر سے یہ روز بد نصیب ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ مجھے گالی دیتی ہے (کہ میرے دیکھنے کو روز بد کہا) اور ان کی اذیت کا

ارادہ کیا۔ امیر المومنین نے کہا' ایسا نہیں ہے۔ اس کو اختیار دو کہ یہ مسلمانوں میں سے کسی کو اپنے لیے منتخب کر لے۔ اس کے حصہ غنیمت میں اس کو سمجھ لیا جائے۔ جب اختیار دیا گیا تو وہ لوگوں کو دیکھتی ہوئی چلیں اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ امیر المومنین نے پوچھا' تمہارا نام کیا ہے؟ کہا' جہان شاہ۔ حضرت نے فرمایا' نہیں بلکہ شہر بانو۔ پھر امام حسینؓ سے فرمایا' اے ابو عبداللہ! تمہارا ایک بیٹا اس کے بطن سے پیدا ہو گا جو اہل زمین میں سب سے بہتر ہو گا۔ چنانچہ علی بن الحسینؓ پیدا ہوئے۔ پس وہ بہترین عرب ہاشمی ہونے کی وجہ سے اور بہترین عجم تھے ایرانی ہونے کی وجہ سے۔ اور مروی ہے کہ ابوالاسود دؤلی شاعر نے امام زین العابدینؓ کی شان میں یہ شعر کہا' وہ ایسے لڑکے ہیں جن کا تعلق کسریٰ اور ہاشم دونوں سے ہے۔ جن بچوں کے گلے میں تعویذ ڈالے جاتے ہیں ان میں وہ سب سے بہتر ہیں"۔

انتہائی قابل غور

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اتنی محبت تھی کہ ان کے فرزند ارجمند کو تمام صحابہ کرامؓ کو چھوڑ کر ایک شاہی خاندان کی حسین و جمیل خاتون شہر بانو بخش دی۔ اس خاتون کے ساتھ وہ تمام زیورات اور شاہانہ پوشاک بھی تھی جو کہ "باغ فدک" سے کہیں زیادہ قیمتی تھی۔ یہی شہر بانو سلسلہ سادات کی جدۂ علیا بنیں۔ یہ اہل بیتؓ کے ساتھ فاروق اعظم کی بے پناہ محبت کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ کیونکہ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل میں کچھ رنج ہوتا تو اس صورت میں حضرت علیؓ کی سفارش کوئی اثر نہ دکھاتی"۔

(بحوالہ "شیعہ مذہب" ص ۴۸۳)

حضرت عمرؓ حسنین کریمینؓ کو اپنی اولاد سے عزیز اور افضل سمجھتے تھے

عن ابن عباس لما فتح الله المدائن على اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فى ايام عمر امر عمر بالاقطاع فبسط فى المسجد فاول من بدء اليه الحسن عليه السلام فقال يا امير المومنين اعطى حقى مما افاء الله على المسلمين فقال عمر بالحب والكرامه فامر له بالف درهم ثم انصرف فبدء اليه عبدالله بن عمر فامر له بخمس مائه درهم فقال له يا امير المومنين انا رجل مشتد الضرب بالسيف بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم والحسن والحسين عليهما السلام طفلان يدرجان فى سكك المدينه تعطيهم الف الف درهم وتعطينى خمس مائه قال عمر نعم اذهب فاتنى باب كابيهما وام كامهما وجد كجدهما وجدة كجدتهما وعم كعمتهما وعمة كعمتهما وخالة كخالتهما وخال كخالهما فانك لاتاتينى بهم اما ابوهما فعلى المرتضى عليه السلام وامهما فاطمه الزهراء وجدهما محمد المصطفى

وجدتهما خديجة الكبرى وعمهما جعفر بن ابی طالب وعمتهما ام هانی بنت ابی طالب وخالتهما رقيه وام كلثوم بنتا رسول الله (ﷺ) وخالهما ابراهيم ابن رسول الله۔

(ذبح عظیم' ص ۵۷ تا ۵۸' مصنفہ سید اولاد حیدر فوق بلگرامی مطبوعہ کتب خانہ اثنا عشری لاہور)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے صحابہ کرامؓ کو "مدائن" کی فتح عطا کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت کے تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ مال مسجد میں بکھیر دیا گیا۔ سب سے پہلے امام حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کہا' امیر المومنین اللہ نے مسلمانوں کو مال غنیمت عطا کیا' اس میں سے مجھے میرا حق عطا کیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' بڑی محبت اور عزت سے ادا کرتا ہوں۔ تو ایک ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ پھر یہ تشریف لے گئے اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کے بیٹے "عبداللہ" آئے تو انہیں پانچ سو درہم دینے کو کہا۔ تو انہوں نے عرض کی' امیر المومنین! میں تلوار کا بہت ماہر' بہادر مجاہد ہوں اور حضور ﷺ کے سامنے میں تلوار بازی کی خدمات سرانجام دے چکا ہوں۔ حالانکہ اس وقت حسنؓ و حسینؓ بچے تھے اور مدینہ کی گلیوں میں کھیلا کرتے تھے۔ آپ نے انہیں تو ایک ہزار درہم عطا فرمائے اور مجھے صرف پانچ سو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا' ٹھیک کہتے ہو' جاؤ ان دونوں کے باپ جیسا کہیں سے باپ' ماں جیسی ماں' نانا جیسا نانا' نانی جیسی نانی' چچا جیسا چچا' پھوپھی جیسی پھوپھی' خالہ جیسی خالہ اور

ماموں جیسا ماموں تو لا کر دکھاؤ' تم یہ ہرگز نہیں لا سکتے۔ دیکھو ان کا باپ علی المرتضیٰؓ ان کی والدہ فاطمۃ الزہراؓ' ان کے نانا محمد مصطفیٰ ﷺ' ان کی نانی خدیجۃ الکبریٰؓ' ان کا چچا جعفرؓ بن ابو طالب' ان کی پھوپھی ام ہانیؓ بنت ابی طالب' ان کی خالہ رقیہؓ اور ام کلثومؓ اور ان کے ماموں ابراہیم بن محمد رسول اللہ ﷺ و رضی اللہ عنہ ہیں۔

عن عبید بن حنین قال حدثنی الحسین قال اتیت عمر وھو یخطب علی المنبر فصعدت الیه فقلت انزل عن منبر ابی واذھب الی منبر ابیک فقال عمر لم یکن لابی منبر فاخذنی فجلسنی معه اقلب الحصی بیدی فلما نزل انطلق بی الی منزل فقال من علمک فقلت واللہ ما علمنی احد قال فاتیته وھو خال بمعاویه وابن عمر فی الباب فرجع فرجعت معه فلقینی بعد ذالک فقال لم اراک قلت یا امیر المومنین انی جئت وانت خال بمعاویه فرجعت مع ابن عمر فقال انت احق من ابن عمر۔

(ذبح عظیم' ص ۵۷)

"عبید بن حنین سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں مجھے امام حسین رضی اللہ عنہ نے بات سنائی کہ میں (حسین) ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ اس وقت وہ منبر پر بیٹھے خطبہ دے رہے تھے۔ میں منبر پر چڑھ گیا اور کہا' میرے باپ کے منبر سے اتر جاؤ اور جاؤ اپنے باپ کے منبر پر چڑھ کر خطبہ دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' میرے

باپ کا تو کوئی منبر نہیں۔ تو اس کے بعد مجھے پکڑ کر منبر کے اوپر بٹھا دیا۔ میں ان کے ساتھ منبر پر بیٹھا کنکریوں سے کھیلتا رہا۔ جب خطبہ دینے سے فارغ ہوئے تو مجھے لے کر اپنے گھر چلے اور مجھ سے پوچھا' تمہیں یہ باتیں کس نے سکھائی ہیں؟ میں نے کہا' خدا کی قسم! کسی نے نہیں سکھائیں۔ پھر امام حسین ؑ نے فرمایا' میں ایک مرتبہ پھر گیا تو اس وقت حضرت عمر ؓ جناب معاویہ ؓ سے تنہائی میں گفتگو فرما رہے تھے اور ان کے بیٹے عبداللہ دروازہ پر تھے۔ جب ابن عمر لوٹے تو میں بھی آ گیا۔ پھر ایک مرتبہ اس کے بعد حضرت عمرؓ مجھ سے ملے تو کہنے لگے' بہت عرصہ ہوا تمہیں دیکھا نہیں۔ میں نے کہا آپ کے پاس آیا تھا لیکن آپ اس وقت معاویہ ؓ کے ساتھ تنہائی میں گفتگو فرما رہے تھے۔ تو میں آپ کے بیٹے عبداللہ کے ساتھ واپس آ گیا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا' تم میرے نزدیک میرے بیٹے سے زیادہ حق دار تھے"۔

حضرت علیؓ فاروق اعظمؓ کو منبر رسولؐ پر بیٹھنے کا مستحق سمجھتے تھے

عن زید بن علی عن ابیہ ان الحسین بن علی علیہما السلام اتی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وھو علی المنبر یوم الجمعہ فقال لہ انزل عن منبر ابی فبکی عمر ثم قال صدقت یا بنی منبر ابیک لا منبر ابی فقال علی علیہ السلام ما ھو واللہ عن رای ابی فقلت صدقت واللہ ما اتھمتک یا ابا الحسن ثم نزل علی المنبر فاخذہ فاجلسہ الی جانبہ

على المنبر فخطب الناس وهو جالس على المنبر معه ثم قال يا ايها الناس سمعت نبيكم صلى الله عليه وسلم يقول احفظوني في عترتي وذريتي فمن حفظني منهم حفظه الله الا لعنه الله على من اذاني فيهم ثلاثا۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ، جلد ۲، ص ۳۱۶)

"زید بن علیؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت منبر پر (خطبہ دے رہے) تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا، میرے باپ کے منبر سے اتر جایئے۔ یہ سن کر عمرؓ رو پڑے اور فرمایا، بیٹا تو نے ٹھیک کہا کہ یہ تیرے باپ کا منبر ہے، میرے باپ کا نہیں۔ اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ بولے، خدا کی قسم! حسین نے میری رائے سے نہیں کہا۔ عمرؓ نے کہا، آپ نے سچ فرمایا۔ اللہ کی قسم! ابوالحسن میں آپ کو تہمت نہیں دیتا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو پکڑا اور اپنے برابر منبر پر بٹھا لیا اور عوام سے خطاب کیا جبکہ امام حسین رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ منبر پر رونق افروز تھے۔ اس کے بعد فرمایا، لوگو! میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا، تم میری اور میری خاطر میری اولاد کی عزت کرو اور جس نے میری خاطر ان کی حفاظت کی، اللہ اس کی حفاظت کرے۔ خبردار! میری اولاد کے بارے میں جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس پر اللہ کی لعنت۔ یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا"۔

حضور علیہ السلام کی پیشین گوئی فاروق اعظمؓ کے حق میں پوری ہوئی

و بروایت دیگر مشت خاک از برائے آنحضرت فرستادہ حضرت فرمود کہ امت بزودی مالک زمین او خواہشد۔ چنانچہ خاک ازبرائے من فرستاد۔

(حیات القلوب' جلد دوم' ص ۷۸۹' نو لکشور طبع قدیم' باب چہلم در بیان نوشتن نامہ ہا بپادشاہ و سائر وقائع)

"ایک دوسری روایت کے مطابق کسریٰ (شاہ ایران) نے خاک کی ایک مٹھی حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجی۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت بہت جلد اس کی زمین (ملک) کی مالک بن جائے گی۔ جیسا کہ اس نے خود اپنی زمین کی مٹی مجھے بھیج دی ہے"۔

حضرت عمرؓ کے اسلام کے لیے حضور ﷺ نے دعا فرمائی

ثم قال ھذا عمر اللھم اعز الاسلام بعمر فقال اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد انک رسول اللہ فکبر اھل الدار ومن کان علی الباب تکبیرہ سمعھا من کان فی المسجد من المشرکین۔

(شرح نہج البلاغہ ابن حدید' جلد سوم' ص ۱۲۳' فی کیفیۃ اسلام عمرؓ)

"(جب عمر بن الخطاب برہنہ تلوار لے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے) تو حضور ﷺ نے دیکھ کر فرمایا' یہ عمر ہے۔ اے اللہ! عمر کے ذریعہ اسلام کو عزت بخش۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا' میں گواہی دیتا

ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ تو اس پر گھر میں موجود تمام لوگوں نے اور دروازے پر کھڑے لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی جس کو مسجد میں موجود مشرکین نے بھی سنا"۔

حضرت علیؓ نے فرمایا میں شاہد ہوں کہ اللہ کا رسول ؐ عمرؓ پر راضی گیا

قال حدثنا یوسف عن ابیه عن ابی حنیفه عن الهیثم قال دخل ابن عباس رضی الله عنهما علی عمر۔ حین اصیب فقال البشر فوالله لقد کان اسلامک عزا ولقد کان هجرتک فتحا ولاینتک عدلا ولقد صحبت رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی توفی وهو عنک راض ثم صحبت ابا بکر فتوفی وهو عنک راض ولقد ولیت فما اختلف فی ولاینتک اثنان قال عمر اتشهد بذالک؟ قال فکعی ابن عباس فقال علی نعم نشهد بذالک۔

(شرح نہج البلاغہ ابن حدید جلد سوم' نمبر ۱۳۶' مطبوعہ بیروت بحث فی الاثار التی وردت فی موت عمر والکلام الذی ماله عند ذلک)

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان پر قاتلانہ حملہ ہونے کے بعد حاضر ہوئے اور کہنے لگے' اللہ کی قسم! تمہارا اسلام عزت والا' تمہاری ہجرت فتح کی پیش خیمہ

اور تمہاری ولایت سراسر عدل تھی۔ حضور ﷺ کے وصال مبارک تک تمہیں آپ کی صحبت نصیب رہی اور آپ دنیا سے رخصت ہوتے وقت تم سے راضی ہو گئے۔ پھر تم حضرت ابو بکرؓ کی صحبت میں رہے' وہ بھی خوشی راضی تم سے الوداع ہوئے۔ تم جب خلیفہ بنے تو پوری خلافت میں دو آدمی بھی آپ سے ناراض نہ ہوئے۔ یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا' کیا تم اس کی گواہی دیتے ہو؟ ابن عباس نے کچھ خاموشی اختیار کی لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا' ہاں! ہم اس کی گواہی دیتے ہیں"۔

آگے چل کر علامہ ابن حدید لکھتا ہے:

وفی روایہ اخری لم تجزع یا امیر المومنین فواللہ لقد کان اسلامک عزا و امارتک فتحا ولقد ملات الارض عدلا فقال اتشھد لی بذالک یا ابن عباس قال فکانہ کرہ الشھادہ فتوقف فقال لہ علی علیہ السلام قل نعم وانا معک فقال نعم۔

"دوسری روایت میں ہے ابن عباسؓ نے فرمایا' اے امیر المومنین آپ نہ روئیں۔ آپ کا اسلام عزت والا' حکومت فتح کی علامت تھی' آپ نے اس کو عدل سے بھر دیا۔ عمر فاروقؓ نے فرمایا' اے ابن عباسؓ کیا تو اپنی اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ اس پر انہوں نے توقف یا گویا گواہی دینا بہتر نہ سمجھا تو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابن عباسؓ سے کہا کہ کہو میں گواہی دیتا ہوں اور میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ گواہی دینے میں اس وقت ابن عباسؓ نے کہا' ہاں میں گواہی دیتا ہوں"۔